فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ
(اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون)
زبیر علی زئی صاحب کی تہمت تراشیوں اور افتراء پردازیوں پر
مشتمل تحریر (کفایت اللہ سنابلی ھندی کے دس جھوٹ) کا جواب
حدیثِ یزید، محدثین کی نظر میں
امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے فرمایا:
"کل حدیث فیه ذم یزید فکذب"
"ہر وہ حدیث جس میں یزید کی مذمت ہے وہ جھوٹی ہے"
[المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص: ۷۹ بتحقیق العلامة المعلمی رحمۃ اللہ علیہ]
ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی
دارالسنة للتحقيق والطباعة والنشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر ہمارے خلاف زبیر علی زئی صاحب کی لکھی گئی آخری تحریر (کفایت اللہ سنابلی ہندی کے دس جھوٹ) کا جواب ہے۔ یہ جوابی تحریر زبیر علی زئی صاحب کی زندگی میں لکھی گئی تھی لیکن قبل اس کے کہ اس کی اشاعت کی جاتی زبیر علی زئی صاحب کی شدید بیماری کی خبر آئی پھر ہم نے اس تحریر کی اشاعت ملتوی کردی۔ اوراس انتظار میں تھے کہ آں جناب صحت یاب ہوں پھران کی خدمت میں اسے پیش کیا جائے گا۔لیکن اس بیماری سے وہ صحتیاب نہ ہوسکے اور بالآخر ایک دن فوت ہوگئے، غفراللہ لہ۔

ان کی وفات کے بعد ہم نے یہ سلسلہ بند کردیا اوراس تحریر کو بھی شایع نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔اس بیچ ان کے چاہنے والوں نے مجھ پر سب وشتم اورطعن وتشنیع کی حد کردی اور ہر جگہ فخریہ اعلان کرتے رہے کہ ناچیز جواب سے عاجز ہے۔ پھربھی ہم نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا حتی کہ کچھ دنوں بعد زبیر علی زئی صاحب کی مقالات کی چھٹی جلد شائع ہوئی اوراس میں بھی میرے خلاف زبیر علی زئی صاحب کی اس تحریر کوشائع کردیا گیا۔

پھربھی ہم نے اپنی اس تحریر کو عام نہیں کیا لیکن چونکہ زبیر علی زئی صاحب کی آخری تحریر کوان کے مقالات میں شائع کردیا گیا اس لئے اس بیچ یزید بن معاویہ سے متعلق ہماری تفصیلی کتاب ’’یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ‘‘ مرتب ہوئی تو اس کتاب میں ہم نے اس سلسلے کی اپنی دیگر تحریریں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ زبیر علی زئی صاحب کی آخری تحریر کا جواب بھی انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کردیا۔ ہماری اس کتاب کے طبع ہونے کے بعد زبیر علی زئی صاحب کی آخری تحریر کو لے کر پھر ہمارے خلاف سب وشتم اورطعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔اس لئے اب ہم نے ضروری سمجھا کہ ہمارا مفصل جواب بھی لوگوں کے سامنے آجانا چاہئے۔لہٰذا یہ تحریر نظر ثانی اور بعض کمی وبیشی کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

ایک شکوہ کا جواب

یہ تحریر انتہائی اختصار کے ساتھ ہماری کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں صرف دس صفحات (ص ۱۹۸ تا ۲۰۷) پر نشر ہوئی تو بعض حضرات وہی باتیں کہنے لگے جو زاہد کوثری کی وفات کے بعد علامہ المعلمی رحمہ اللہ کی تحریر نشر ہونے پر کہی گئیں، اس سلسلے میں عرض ہے:

❀ **اولا:-** اگر ہم نے زبیر علی زئی صاحب کی زندگی میں مکمل خاموشی اختیار کی ہوتی اور ان کی وفات کے بعد ان کا جواب دینا شروع کیا ہوتا تو کسی حد تک یہ شکوہ بجا تھا کہ ان کی حیات میں ان کا جواب کیوں نہیں دیا گیا۔لیکن ہمارے قارئین اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم نے موصوف کی زندگی میں تین بار ان کو جواب دیا ہے۔

یاد رہے کہ تیسری بار ہم نے جو جواب دیا تھا اس کا مکمل جواب زبیر علی زئی صاحب نے وفات تک نہیں دیا۔ چناں چہ ہماری تیسری تحریر، زبیر علی زئی صاحب ہی کے بقول ۶۵ صفحات پر پرنٹ کر کے ان کے سامنے پیش کی گئی [1] جس کے صرف ابتدائی پانچ (۵) صفحات کا جواب موصوف نے اپنی زندگی میں لکھا اور باقی ساٹھ (۶۰) صفحات کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا:

''راقم الحروف کے جواب میں سنابلی صاحب کی تحریر (رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے) کے ابتدائی پانچ صفحات پر یہ دس صریح اور کالے جھوٹ موجود ہیں، لہٰذا ان کی باقی تحریروں میں کیا سانپ اور بچھو نہ ہوں گے مگر عقلمندوں کے لئے یہی حوالے کافی ہیں'' [2]

زبان و بیان کی شرافت سے قطع نظر دیکھئے کہ موصوف معترف ہیں کہ انہوں نے ۶۵ صفحات پر مشتمل ہماری جوابی تحریر کے صرف ابتدائی پانچ صفحات کا جواب دیا ہے اور باقی ۶۰ صفحات کے لئے سانپ اور بچھو کی تشبیہ پر اکتفا کیا ہے۔

واضح رہے کہ ۶۵ صفحات پر مشتمل ہمارا جواب ان کی جس تحریر (رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید: یہ

---

[1] مقالات (۶/۳۸۸)

[2] مقالات (۶/۴۰۹)

حدیث ثابت ہے) کے رد میں تھا وہ ۳۶ صفحات پر مشتمل تھی۔ بعد میں یہ تحریر ان کے مقالات کی جلد ۶ میں دو حصوں میں (ص ۳۵۶ تا ۳۸۱ اور ص ۵۸۷ تا ۵۹۰) شائع کی گئی۔ پھر ان کی زندگی میں دئے گئے اپنے اس جواب کو ہم نے بھی اپنی کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' (ص ۸۸ تا ۱۸۹) میں شائع کر دیا۔

❀ ثانیا: -ہماری تیسری تحریر کے جواب الجواب کو زبیر علی زئی صاحب نے بقول خود ۲۷/ جون ۲۰۱۳ء کو مکمل کیا تھا، جیسا کہ ان کی اس تحریر کے آخر میں تاریخ درج ہے۔ (دیکھئے: مقالات ۶/ ۴۱۱) اور ۳/ اگست ۲۰۱۳ء کو موصوف کی تحریر محدث فورم پر پیش کی گئی (دیکھئے: محدث فورم کا دھاگہ بنام ''حدیث یزید سے متعلق شبہات کا ازالہ'') اس کے بعد ہی ہمیں اس کا علم ہوا۔ اور ان کی وفات ۱۰/ نومبر ۲۰۱۳ء کو ہوئی۔ (ماہنامہ اشاعت الحدیث ۱۱۲ ص ۱۴) غور کریں ہم تک یہ تحریر موصول ہونے اور زبیر علی زئی صاحب کی وفات کے بیچ صرف تین ماہ اور چند دنوں کا فاصلہ ہے۔

ذرا سوچئے اس مختصر مدت میں اگر ہمارا جواب پیش نہیں ہوا تو کس عقل و منطق سے کہا جاسکتا ہے کہ موصوف کی زندگی میں ان سے مرعوب ہو کر ناچیز جواب دینے سے عاجز تھا۔ بالخصوص جبکہ ان کی زندگی میں تین بار ناچیز نے جواب حاضر کر دیا ہے۔

❀ ثالثا: -ہمارے تیسرے جواب کا ادھورا جواب الجواب جوں ہی ہمیں موصول ہوا ہم نے اسی وقت محدث فورم پر اعلان کر دیا کہ ہم اس کا جواب پیش کریں گے۔ لیکن ہمارا جواب مکمل ہوا تو موصوف کی شدید بیماری کی خبریں عام تھیں اس لئے ہم ان کی صحتیابی کا انتظار کرنے لگے، لیکن اللہ کی مرضی وہ صحت یاب نہ ہو سکے اور فوت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غفر اللہ لنا ولہ۔

غور کریں اگر ان کی زندگی ہی میں جواب دینے کا عزم ہمارا نہ ہوتا تو ہم مذکورہ اعلان کیوں کرتے؟ اگر موصوف کی زندگی نے مزید ساتھ دیا ہوتا، تو یقیناً ان کی زندگی میں یہ جواب بھی اسی طرح پیش کر دیا جاتا جس طرح اس سے قبل تین جوابات ان کی زندگی ہی میں حاضر خدمت کئے جاچکے تھے۔

اگر کوئی کہے کہ کسی کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی غلطیوں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے تو عرض ہے کہ علمی غلطیوں کا معاملہ الگ ہوتا ہے نیز یہ دیکھیں کہ یزید بن معاویہ بھی وفات پا چکے ہیں

اوران کی وفات پر صدیاں گذر چکی ہیں پھر بھی ان کی طرف منسوب مظالم اور فسق وفجور کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں جو ثابت بھی نہیں ہیں۔تو پھر زبیر علی زئی صاحب کیا ان سے بہتر ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کی کرم فرمائیوں کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی؟

حافظ صلاح الدین حفظہ اللہ نے بالکل درست لکھا کہ:

''باقی یزید کے فسق وفجور کے افسانے، وہ افسانے ہی ہیں وہ ہم سے بہتر مسلمان تھا''[1]

لیکن کیا معلوم کہ زبیر علی زئی صاحب کے حمایتی انہیں یزید سے بھی بہتر سمجھتے ہوں، بلکہ ان کے ایک حمایتی نے تو یہاں تک لکھ دیا:

''میرے نزدیک حافظ زبیر علی رح کا مقام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہیں بڑھ کر ہے''[2]

اناللہ وانا الیہ راجعون۔واضح رہے کہ اگر زبیر علی زئی صاحب کی آخری تحریر کوان کے مقالات کی جلد ۶ میں جگہ نہ دی جاتی تو ان کی وفات ہوجانے کے سبب یہ مفصل تحریر کیا اس سلسلے میں ہم کوئی مختصر جواب بھی شائع نہ کرتے گرچہ ہمیں اس کا حق تھا۔

موصوف کی تحریر کوان حضرات نے اپنی سائٹ پر اپلوڈ کیا اور فیس بک وغیرہ کے ذریعہ پوری دنیا میں نشر کیا،اور جی بھر کر گالیوں اوراتہامات سے نوازا۔لیکن پھر بھی ہم خاموش ہی رہے۔

لیکن افسوس کہ ہماری اس خاموشی کوغنیمت جان کر معاملہ رفع دفع کرنے کے بجائے غیض وغضب اورسب وشتم میں ڈوبی ہوئی موصوف کی آخری تحریر ''علمی مقالات'' کی زینت بنادی گئی!

اس پر بھی ہم نے صرف یہ کیا کہ انتہائی اختصار کے ساتھ صرف دس صفحات پر اپنا دفاع پیش کردیا بس۔لیکن اتنا بھی یاروں کوہضم نہیں ہورہاہے، نامعلوم کس مٹی کے بنے لوگ ہیں یہ کہ دوسروں کوجھوٹا کہیں، جاہل کہیں، گالیاں دیں،سب ان کے لئے جائز،اورکوئی محض اپنے دفاع میں چندسطریں لکھ دے تو وہ قطعا اس کا مجاز نہیں!

---

[1] خط بنام زبیر احمد صدیقی صاحب،عکس دیکھیں:

اللہ کے سپرد ہے۔
باقی یزید کے فسق وفجور کے افسانے، وہ افسانے ہی ہیں، وہ ہم سے بہتر مسلمان
تھا اور صحابہ نے اس کی خلافت کو تسلیم کیا تھا، ہمیں اس کی بابت زیادہ بحث وتکرا

[2] فیس بک پر ایک شخص کا تبصرہ،عکس دیکھیں:

Anam Ur Rehman
میرے نزدیک حافظ زبیر علی زئی رح کا مقام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے
کہیں بڑھ کر ہے

زبیر علی زئی صاحب کے قلم کی شرافت اور زبان کی پاکیزگی کے چند نمونے

زبیر علی زئی صاحب نے پیش نظر تحریر میں ناچیز پر جو کرم فرمائیاں کی ہیں اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہو:

- ''سنابلی صاحب کی اس تحریر سے ان کے دس (۱۰) صریح جھوٹ باحوالہ ومع رد پیش خدمت ہیں''(1)
- ''اس حدیث کو سنابلی اینڈ پارٹی کا موضوع، من گھڑت اور مردود کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے''(2)
- ''سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ تمنا عمادی اور بشیر احمد میرٹھی وغیرہما کی پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر محدثین کرام کی جرنیلی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں اور منکرینِ حدیث کے لئے چور دروازے نہ کھولیں''(3)
- ''سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے باطل اصول کی لاج رکھتے ہوئے صحیح بخاری اور سنن ترمذی والی حدیث کو بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیں، تاکہ سبیل المجرمین واضح ہو جائے''(4)
- ''جس طرح سنابلی صاحب نے حافظ ابن کثیر پر جھوٹ بولا تھا (دیکھئے فقرہ نمبر ۵) اسی طرح مولوی ابن طولون پر بھی کالا جھوٹ بولا ہے''(5)
- ''عرض ہے کہ جھوٹ نہ بولیں اور اہلِ علم پر بہتان وافتراء کا طومار نہ باندھیں''(6)
- ''منکرینِ حدیث کے نقوشِ قدم پر چلنے والے سنابلی صاحب کو آئینہ دکھایا جائے۔''(7)

یہ صرف چند نمونے ہیں ورنہ موصوف کی پوری تحریر اسی لب ولہجے میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور حد ہوگئی کہ زبیر علی زئی صاحب نے صرف ناچیز ہی پر بس نہیں کیا بلکہ بعض ان شخصیات پر بھی جملے کس دئے ہیں جن سے ہم نے اپنی تائید میں کچھ نقل کیا یا جنہیں خود موصوف نے ہمارا مؤید ظاہر کیا مثلا:

---

(1) مقالات (۶/۳۸۸)

(2) مقالات (۶/۴۰۴)۔ مجھ غریب وفرید کے ساتھ ''اینڈ پارٹی'' کا لاحقہ کیوں لگا دیا، یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

(3) مقالات (۶/۳۹۳)

(4) مقالات (۶/۴۰۳)

(5) مقالات (۶/۴۰۷)

(6) مقالات (۶/۴۰۶)

(7) مقالات (۶/۴۰۹)

❁ عظیم محدث امام ابن صلاح رحمہ اللہ سے متعلق لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ زبیر علی زئی سے پہلے کسی نے اس حدیث کو حسن یا صحیح نہیں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا وہ ابن الصلاح (تقلیدی) کے منہج پر ہیں''[1]

بریکٹ کے الفاظ زبیر علی زئی صاحب ہی کے طرف سے ہیں۔ واضح رہے کہ نہ یہ ہمارا منہج ہے اور نہ ہی امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی طرف ایسے منہج کی نسبت درست ہے جیسا کہ متعدد اہل علم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کو تقلیدی کہا ہے جبکہ بعض مقامات پر خود موصوف نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کی ہے جیسا کہ ہم نے زیادت ثقہ والے مضمون میں وضاحت کر دی ہے۔[2]

❁ امام سیوطی رحمہ اللہ کو ہم نے ''امام'' لکھا تو زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

''نیز حاطب اللیل کو امام قرار دینا بھی اعجوبہ ہے''[3]

مزے کی بات یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی اپنی تحریروں میں امام سیوطی رحمہ اللہ کو ''امام'' لکھا ہے، جیسا کہ آگے اسکین کے ساتھ حوالہ آ رہا ہے۔[4]

حیرت ہے کہ جب دیوبندی حضرات اس طرح کا طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو زبیر علی زئی صاحب انہیں اللہ کا خوف دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب مرضی کا معاملہ ہو مثلاً فاتحہ خلاف الامام کا مسئلہ وغیرہ تو دیوبندی حضرات حافظ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام، امام، اور علامہ وغیرہ لکھتے ہیں اور اگر مرضی کے خلاف بات ہو تو شیخ الاسلام پر تنقید، تنقیص اور توہین آمیز جملے بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ کیا انہیں اللہ کا خوف نہیں ہے؟''[5]

اب دیکھئے! یہ وہی بات ہو گئی کہ ''دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت''۔ دیوبندی حضرات نے

---

1. مقالات (۶/۴۰۷)
2. دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: (ص ۲۴۲ تا ۲۴۵)
3. مقالات (۶/۴۰۲)
4. دیکھئے: صفحہ نمبر ۸ تا ۱۱ نیز دیکھئے: (ص ۱۳۶-۱۳۷)
5. فتاوی علمیہ المعروف توضیح الاحکام (۱/۶۳۷)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا ہے عین وہی طرز عمل آں جناب امام سیوطی رحمہ اللہ کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں۔ کیا فرق رہا؟؟؟

بعض حضرات کو شاید یقین نہ آئے کہ زبیر علی زئی صاحب جب سیوطی رحمہ اللہ کو ''امام'' کہنے کو اعجوبہ قرار دیتے ہیں تو وہ خود سیوطی کو ''امام'' کیسے کہہ سکتے ہیں اس لئے آیئے ہم زبیر علی زئی صاحب کی کتابوں سے ان صفحات کا اسکین پیش کر دیں جن میں موصوف نے سیوطی رحمہ اللہ کو ''امام'' لکھا ہے ملاحظہ ہو:

جزء رفع الیدین مترجم کا ٹائٹل صفحہ جس کے مقدمہ میں سیوطی رحمہ اللہ کو زبیر علی زئی صاحب نے ''امام'' لکھا ہے۔
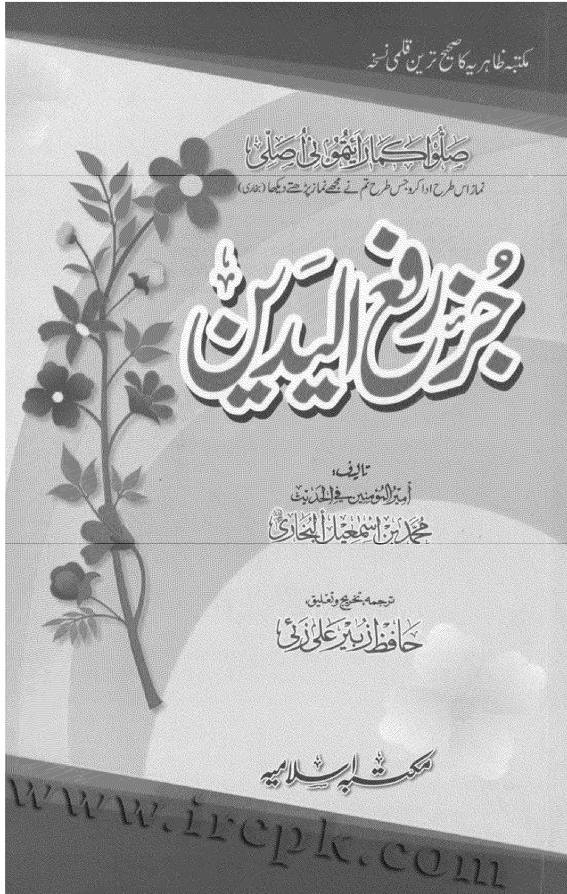
جزءرفع الیدین مترجم کے مقدمہ کا ص ۱۹ جس میں سیوطی رحمہ اللہ کو زبیر علی زئی صاحب نے ''امام'' لکھا ہے۔

کی پیروی ہے۔

۵۔ اوکاڑوی نے کہا:

''برادران اسلام، اللہ تعالیٰ نے جس طرح کافروں کے مقابلہ میں ہمارا نام مسلم رکھا، اسی طرح اہل حدیث کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ نے ہمارا نام اہلسنت والجماعت رکھا۔'' [مجموعہ رسائل ج ۴، ص ۳۶، طبع نومبر ۱۹۹۵ء]

حالانکہ کسی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اہل حدیث کے مقابلے میں دیوبندیوں کا نام اہل سنت والجماعت نہیں رکھا۔ یہ بات عام علماءِ حق کو معلوم ہے کہ دیوبندی حضرات اہل سنت والجماعت نہیں ہیں بلکہ نرے صوفی وحدت الوجودی اور غالی مقلدین ہیں۔ امام سیوطی نے یہ کہتے ہوئے مقلدین کو اہل سنت والجماعت سے خارج کر دیا ہے کہ:

"والذي يجب أن يقال كل من انتسب إلى إمام غير رسول الله ﷺ يوالي على ذلک ويعادي عليه فهو مبتدع خارج عن السنة والجماعة سواء كان في الأصول أو الفروع."

یہ کہنا واجب ہے کہ ہر شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور امام سے منسوب ہوتا ہے۔ اس کی محبت اور دشمنی اسی پر ہوتی ہے تو ایسا شخص بدعتی ہے اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ چاہے یہ (انتساب ومحبت اور دشمنی) اصول میں ہو یا فروع میں۔

[الکنز المدفون والفلک المشحون للسیوطی، ص ۱۴۹]

۶۔ اوکاڑوی نے کہا:

''نماز تراویح کے بارے میں بیس رکعت سے کم کسی امام کا مذہب نہیں۔''

[مجموعہ رسائل ج ۴، ص ۵۱]

حالانکہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ:

"وقيل احدى عشرة ركعة وهو اختيار مالک لنفسه

زبیر علی زئی صاحب کی دوسری کتاب (امین اوکاڑوی کا تعاقب) کا ٹائٹل صفحہ جس میں سیوطی رحمہ اللہ کو زبیر علی زئی صاحب نے "امام" لکھا ہے۔
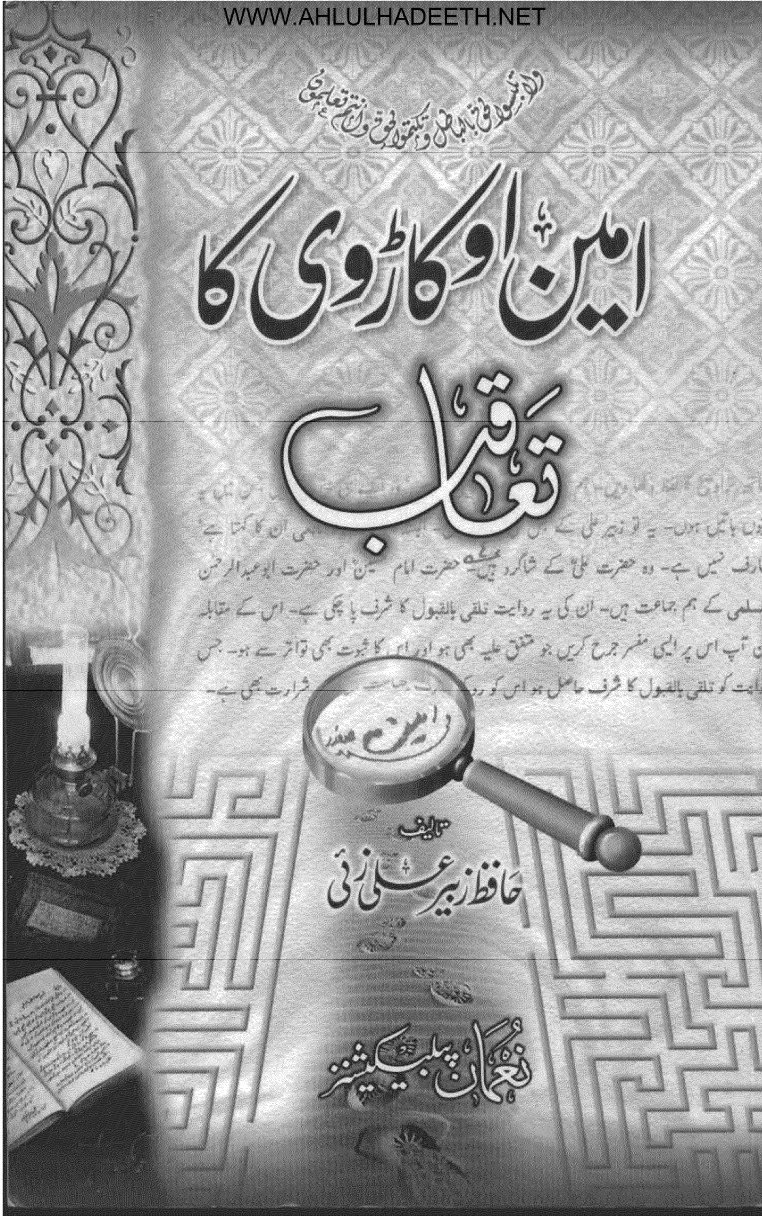
زبیر علی زئی صاحب کی دوسری کتاب (امین اوکاڑوی کا تعاقب) کا صفحہ ۲۷ جس میں سیوطی رحمہ اللہ کو زبیر علی زئی صاحب نے ''امام'' لکھا ہے۔

27 امین اوکاڑوی کا تعاقب

①

بحث و نظر

نمازِ تراویح کا تحقیقی جائزہ

مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب مدظلہ

نماز تراویح ایک خاص نماز ہے جو صرف رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بارہ میں دو تین مفصل مضامین پہلے ماہنامہ ''الخیر'' میں چھپ چکے ہیں۔ اس موضوع پر استاذ العلماء، سلطان المشائخ، جامع بین الشریعت والطریقت حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ ''خیر المصابیح'' اور دیگر مضامین ''...'' میں چھپ چکے ہیں۔ تاہم رمضان المبارک کی مناسبت سے ایک مختصر تحریر یہ بھی ہے۔

جواب:

❶ پرائمری ماسٹر محمد امین اوکاڑوی صاحب حیاتی دیوبندیوں کے مناظر ہیں، دیوبندیوں کا اہل سنت ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ امام سیوطی کے بقول یہ لوگ اہل سنت سے خارج ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ص 28

❷ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے جس کا اعتراف مشہور غالی دیوبندی انور شاہ کاشمیری نے بھی کیا ہے، دیکھئے (فیض الباری: ج ۲ ص ۴۲۰، العرف الشذی: ج ۱ ص ۱۶۶)

❸ راقم الحروف نے یہ مضامین نہیں دیکھے۔

❹ اس قسم کے خود ساختہ القاب کی بنیاد پر تقلید پرست اپنے احبار و رھبان کے بارے میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں، خیر محمد جالندھری ایک غالی مقلد دیوبندی، شیخ التقلید اور شیخ الدیوبندیین تھا اور بس!

یہ سچ ہے کہ پیر نہیں اڑتے مگر مرید انہیں اڑاتے ہیں۔

دیوبندی حضرات اہل سنت نہیں ہیں:

۱: دیوبندیوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ امت مسلمہ پر مسائل اجتہادیہ میں، ائمہ اربعہ (مالک، شافعی، احمد، ابوحنیفہ) میں سے صرف ایک امام کی تقلید شخصی واجب ہے۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی فرماتے ہیں:

❁ امام محمد بن طاہر المقدسی القیسرانی رحمہ اللہ، معروف ثقہ امام ہیں، زبیر علی زئی صاحب نے اپنی کتب میں ان کے حوالے کئی مقامات پر دیئے ہیں ہم نے اپنی تحریر میں ان کا حوالہ دیا تو زبیر علی زئی صاحب نے لکھا:

''خود صوفی محمد بن طاہر المقدسی نے یہ وضاحت بھی کی ہے''[1]

یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے محمد بن طاہر المقدسی کے نام کے ساتھ ''صوفی'' کا سابقہ لگا دیا حالانکہ خود موصوف جب اپنی تائید میں محمد بن طاہر المقدسی کا حوالہ دیتے ہیں تو انہیں ''الحافظ''، ''الشیخ'' اور ''الصدوق'' کے القاب سے ذکر کرتے ہیں مثلا ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابوالفضل محمد بن الطاہر المقدسی (صدوق) نے لکھا ہے''[2]

بلکہ لطف تو یہ ہے کہ ایک جگہ ان کی تصوف والی کتاب ہی سے ایک قول نقل کیا تو اس طرح ان کا نام ذکر کیا:

''الشیخ الصدوق ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۷ھ) نے فرمایا''[3]

اب یہ کیا تماشہ ہے کہ آپ اپنی تائید میں ان کا قول نقل کریں تو ان کا تذکرہ حافظ، شیخ، اور صدوق کے الفاظ کے ساتھ کریں اور ہم نے اپنی تائید میں ان کا حوالہ دے دیا تو آپ ان کے صوفی ہونے کا پرچار کر رہے ہیں؟؟؟

❁ مورخ ابن طولون رحمہ اللہ کے حوالہ پر زبیر علی زئی صاحب نے لکھا:

''دسویں صدی کے ایک حنفی مولوی ابن طولون نے۔۔۔''[4]

❁ علمی حلقوں میں معروف ومقبول ترین کتاب ''مقالات اثریہ'' کے فاضل مؤلف کے بارے میں لکھا:

''سنابلی صاحب نے اپنی تائید میں غلط منہج، باطل اصول اور دوغلی پالیسی والے خبیب

---

1. مقالات (۳۹۹/۶)
2. مقالات (۳۰۰/۳)
3. مقالات (۱۰۱/۵) ان کی جس کتاب کے حوالہ سے موصوف نے ان کا کلام نقل کیا ہے اس کا نام ''صفوۃ التصوف'' ہے۔
4. مقالات (۴۰۶/۶)

احمد فیصل آبادی کا حوالہ مقالات اثریہ (ص ۴۰۳) سے پیش کیا ہے۔" [1]

ملاحظہ فرمایا آپ نے! زبیر علی زئی صاحب نے نہ صرف یہ کہ ناچیز پر کرم فرمائی کی بلکہ ان اہل علم کی بھی خاطر تواضع کر دی جن کے حوالے ہم نے دیئے تھے یا خود موصوف نے ہی جنہیں کسی مسئلہ میں ہمارا ہمنوا ابتلایا وہ بھی بلاوجہ یعنی امام ابن الصلاح رحمہ اللہ۔

صاف ظاہر ہے کہ موصوف اختلاف رائے کے وقت نہ صرف یہ کہ فریق مخالف کی تحقیر کر بیٹھتے ہیں بلکہ اس پر بہتان وافتراء سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور ہر شخص کے یہاں اس کی نوبت تبھی آتی ہے جب وہ جواب نہیں دے پاتا جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"محاسبے کے مصنف اس دور میں گھڑے ہوئے جزء کو ثابت کرنے سے ناکام رہے ہیں جس کی کسر انہوں نے گالیوں اور اتہامات واکاذیب سے نکالی ہے" [2]

ہم جیسے ناکارہ و بے علم تو کسی قطار میں نہیں ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں زبیر علی زئی صاحب کی شرمناک جسارت ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا البانی صاحب کسی طبقاتی تقسیمِ مدلسین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اپنی مرضی کے بعض مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف بعض مدلسین (یا ابریاء من التدلیس) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا کوئی اصول یا قاعدہ نہیں تھا لہٰذا تدلیس کے مسئلے میں ان کی تحقیقات سے استدلال غلط و مردود ہے" [3]

اب کیا کوئی بھی عدل پسند شخص اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ اس اقتباس میں زبیر علی زئی صاحب نے نہ صرف یہ کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کے ساتھ بے ادبی کی ہے بلکہ ان پر بدترین کی قسم کی بہتان تراشی بھی کر دی ہے۔

بلکہ آں جناب نے ایک دوسری جگہ علامہ البانی رحمہ اللہ کا نام لئے بغیر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسی مسئلہ میں ان پر صراحتاً دوغلی پالیس کا الزام جڑ دیا۔ [4]

---

[1] مقالات (۶/۴۰۶)

[2] مقالات (۲/۳۲۱)۔ مجلّہ الحدیث: (نمبر ۳۹، ص ۶۲)۔

[3] مقالات (۳/۳۱۷)۔ نور العینین، جدید ایڈیشن: (ص ۳۸۸) ۔ فتاوی علمیہ (۲/۳۳۰)

[4] اضواء المصابیح (۱/۱۸۹)

زبیر علی زئی صاحب کا ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ کسی کی رائے ان کے خلاف ہوتی ہے تو موصوف مخالف کو صرف اس مسئلہ میں ہی نہیں بلکہ اس کے منہج ہی کو غلط کہہ ڈالتے ہیں، حتی کی علامہ البانی رحمہ اللہ تک کے بارے میں ایک جگہ لکھ ڈالا:

''شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے منہج میں خطا کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف الاسناد قرار دیا ہے۔''[1]

جب علامہ البانی رحمہ اللہ جیسی مقبولِ عالم، شخصیت کے ساتھ زبیر علی زئی صاحب کا قلم اس قدر آوارگی کا شکار ہوسکتا ہے تو ہم غریبوں پر طعن و تشنیع اور بہتان وافتراء کون سی بڑی بات ہے۔

بہرحال غیض وغضب کے ساتھ اہانت آمیز کلمات، بہتان وافتراء، اور ''مہذب گالیوں'' میں ڈوبی ہوئی آں جناب کی تحریر کا جواب دیتے وقت آسان نہیں ہے کہ جذبات پر قلم کی گرفت قائم رہے۔ پھر بھی ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ہمارے جواب میں ''ترکی بترکی'' کا رنگ نہ پیدا ہونے پائے۔ البتہ جہاں تکذیب اور بہتان تراشی کا الزام ہے وہاں جھوٹ کا پردہ فاش کرنا ہم نے ضروری سمجھا ہے۔

ہماری پوری کوشش اور احتیاط کے باوجود اگر کہیں نوکِ قلم پر کچھ ناگوار الفاظ آجائیں تو اسے ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو) پر محمول کیا جائے۔[2]

اسی آیت کی تفسیر میں مفسرین ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے فرمایا:

”حدثنا يحيى بن أيوب، وقتيبة، وابن حجر، قالوا:حدثنا إسماعيل يعنون ابن جعفر، عن العلاء، عن أبيه، عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ، قال:المستبان ما قالا فعلى البادىء، ما لم يعتد المظلوم“

---

[1] فتاوی علمیہ (۱/۲۶۱)

[2] النساء (۴/آیت ۱۴۸)

''صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپس میں ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کچھ کہیں گے اس کا گناہ اس کے سر ہوگا جس نے برا کہنے کی شروعات کی ہے۔ جب تک کہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے''۔''[1]

جواب کی طوالت پر ہم معذرت خواہ ہیں لیکن جب ہماری تحریر کے صرف ابتدائی پانچ (۵) صفحات کا جواب چوبیس (۲۴) صفحات میں دیا جائے گا۔ تو اس اعتبار سے چوبیس (۲۴) صفحات کے جواب میں ایک سو تہتر (۱۷۳) صفحات کوئی بہت زیادہ نہیں ہیں۔

انسان ہونے کے ناطے ہم بھی غلطی، بھول چوک کے شکار ہوسکتے ہیں، اہل علم نیک نیتی کے ساتھ ہماری اصلاح کریں، ہم ہر حق بات تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اللہ ہم سب کو حق بات کہنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کفایت اللہ سنابلی

ممبئی/۲۲ستمبر/۲۰۱۵ء

---

[1] صحیح مسلم (۳/۲۰۰۰):- کتاب البر و الصله :باب النهی عن السباب، رقم (۲۵۸۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبیر علی زئی صاحب کے رسالہ ''الحدیث'' (نمبر ۱۰۳ ص ۱۹) میں ایک جگہ یزید بن معاویہ کی مذمت میں تاریخ ابن عساکر سے ایک موضوع اور من گھڑت روایت درج کر کے اس کی سند کو حسن قرار دیا گیا تھا۔ اس روایت میں صرف یزید ہی نہیں بلکہ اسی نام کے ایک جلیل القدر صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر بہت ہی گھناؤنا الزام لگایا گیا تھا۔

ہماری نظر اس من گھڑت اور بکواس روایت پر پڑی تو ہم نے فوراً اس پر تنقید کی اور ایک مختصر مضمون پیش کیا۔ (1)

اس کے بعد زبیر علی زئی صاحب اور ان کے ایک ساتھی سے ایک شخص نے رابطہ کیا اور ان سے کی گئی گفتگو کی روشنی میں ہماری اس پہلی تحریر کا جواب پیش کیا۔

اس کے بعد ہم نے اس کا بھی جواب لکھا اور اس سلسلے میں اپنی دوسری تحریر پیش کی اور تمام اشکالات کا ازالہ پیش کیا۔ (2)

پھر کچھ دنوں بعد زبیر علی زئی صاحب نے ہماری دوسری تحریر کے جواب میں ایک مفصل مضمون پیش کیا۔ ہم نے اس مضمون کا جواب بھی دیا اور اس سلسلے کی تیسری تحریر پیش کی اور پوری تفصیل سے ایک ایک اعتراض اور ایک ایک شبہہ کا جواب حاضر کر دیا۔ (3)

ہماری اس تیسری تحریر کا کوئی جواب زبیر علی زئی صاحب سے نہیں بن پڑا، پھر کیا تھا، آں جناب غضبناک ہو گئے، ذہن و دماغ کھو بیٹھے، ہماری تحریر کے اصل حصہ کا جواب تو دینے سے رہے، اس کے بجائے انہوں نے ہماری تحریر کی ابتداء سے اس حصہ کو منتخب کیا جس میں ان محدثین و اہل علم کے نام گنائے گئے تھے جنہوں نے اس حدیث کو موضوع یا منقطع یا مردود قرار دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا، یہ کل دس اہل علم کے نام تھے جن کے حوالے سے ہم نے کہا تھا کہ انہوں نے زیر بحث

---

(1) یہ مضمون ہماری کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں (ص ۴۹ تا ۵۹) شائع کر دیا گیا ہے۔
(2) یہ جواب ہماری کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں (ص ۶۰ تا ۸۷) شائع کر دیا گیا ہے۔
(3) یہ جواب ہماری کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں (ص ۸۸ تا ۱۸۹) شائع کر دیا گیا ہے۔

روایت کو موضوع اور من گھڑت یا مردود قرار دیا ہے یا اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دس اہل علم کے حوالے پیش کرنے کے بعد ہم نے اصل بحث شروع کی اور اس روایت کے موضوع ہونے پر مدلل بحث کی ، ظاہر ہے کہ یہی بحث ہماری تحریر کا بنیادی حصہ ہے۔لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ہماری تحریر کے اصل حصہ کا جواب دینے کے بجائے شروع میں پیش کردہ فہرست ہی کو منتخب کیا اور چونکہ ہم نے اس فہرست میں دس اہل علم کے نام گنائے تھے اس لئے زبیر علی زئی صاحب نے اسے دس جھوٹ کہا۔اس کے جواب میں ہماری یہ تحریر حاضر ہے۔

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اصول حدیث اور اسماء الرجال کی رو سے ایک حسن لذاتہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری سنت کو سب سے پہلے بنوامیہ کا ایک آدمی تبدیل کرے گا جسے یزید کہا جائیگا۔(تاریخ دمشق ۶/ ۲۴۹۔۲۵۰، اشاعۃ الحدیث :۱۰۳ص ۱۹)''[1]

عرض ہے کہ اصول حدیث اور اسماء الرجال پر تو آگے بات ہوگی لیکن سردست یہ وضاحت قارئین کے لئے دلچسپ ثابت ہوگی کہ زبیر علی زئی صاحب نے پیش کردہ روایت کے پورے الفاظ نقل نہیں کئے کیونکہ اس روایت کے دیگر الفاظ ہی کی بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر نقد کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نقد کی روشنی میں یہ روایت موضوع اور من گھڑت ثابت ہوتی ہے۔

دراصل مذکورہ حدیث کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس حدیث کو ابوذر رضی اللہ عنہ نے صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو سنائی اور اس وقت یہ شام میں تھے جیسا کہ بعض طرق میں پوری صراحت ہے۔اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر کلام کرتے ہوئے جو کہا ہے (کما سیاتی) اس کا ماحصل یہ ہے کہ جن دنوں شام میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے ان دنوں ابوذر رضی اللہ عنہ شام گئے ہی نہیں۔تو پھر ابوذر رضی اللہ عنہ انہیں یہ حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کی رو سے

[1] مقالات (۳۸۸/۶)

یہ روایت اپنے بعض الفاظ کے پیشِ نظر موضوع اور من گھڑت ثابت ہوتی ہے لیکن ان الفاظ کو زبیر علی زئی صاحب یہاں ہضم کر گئے۔

صرف یہی نہیں بلکہ اسی روایت کے بعض الفاظ سے ایک جلیل القدر صحابیِ رسول کی توہین بھی ہوتی ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے اپنے رسالہ میں اس توہین والے جملے میں معنوی تحریف کرتے ہوئے اس کا ترجمہ ہی بدل دیا۔ اور یہاں سرے سے وہ الفاظ ہی ذکر نہیں کئے۔ اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ روایت پورے الفاظ کے ساتھ مع ترجمہ درج کر دیں:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم أنا أبو الفضل الرازي أنا جعفر بن عبدالله نا محمد بن هارون نا محمد بن بشار نا عبدالوهاب نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد حدثني أبو العالية حدثني أبو مسلم قال: **غزا يزيد بن أبي سفيان بالناس** (ولفظ أبي يعلى: كان أبوذربالشام زمن يزيدبن أبى سفيان، فغزالمسلمون ونحوه عندالبخارى) فغنموا **فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل فاغتصبها يزيد** فأتىٰ الرجل أبا ذر فاستعان به عليه فقال له: رد على الرجل جاريته، فتلكأ عليه ثلاثا، فقال: إني فعلت ذاك (ولفظ أبي يعلى: لئن فعلت) لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول: أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية، يقال له: يزيد. فقال له يزيد بن أبي سفيان: نشدتك بالله أنا منهم؟ قال: لا. قال: فرد علىٰ الرجل جاريته"

''ابومسلم کہتے ہیں کہ (صحابیِ رسول) **یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت میں لوگوں کے ساتھ جہاد کیا** (ابویعلی کے الفاظ ہیں: ابوذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے تو لوگوں نے جہاد کیا، بخاری کے الفاظ میں بھی اسی طرح کا ذکر ہے) تو انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا **تو ایک مجاہد کے حصے میں ایک خوبصورت لونڈی آئی تو (صحابیِ رسول) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے اس لونڈی کو غصب کر لیا**، اس کے

بعد یہ مجاہد ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سے مدد مانگی تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کردو۔ لیکن یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے، جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو، کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا وہ بنواُمیہ کا شخص ہوگا، جسے یزید کہا جائے گا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں ان میں سے ہوں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو وہ لونڈی واپس کردی۔'' [1]

قارئین ! آپ نے پوری روایت ملاحظہ فرمالی۔ اس میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیرامارت پیش آیا اور یہ شام کے امیر تھے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول اس دور میں ابوذر رضی اللہ عنہ شام آئے ہی نہیں تو پھر اس موقعہ سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو کوئی حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟ یہ اس روایت کے باطل اور من گھڑت ہونے کی بنیادی اور اصل دلیل ہے۔ اور اس روایت کے سنداً ضعیف ہونے کی پوری بحث ہم اپنی تیسری تحریر میں کرچکے ہیں۔ [2]

روایت کے پورے الفاظ دیکھنے سے دوسری بات یہ بھی سامنے آئی کہ اس میں ایک جلیل القدر صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر گھناؤنا الزام ہے جو ان کی توہین ہے۔

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٢٤٩۔ ٢٥٠) وأخرجه أيضاً أبو يعلىٰ كما في إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة (٨/ ٨٥) رقم الحديث (٧٥٣٥)و المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (١٨/ ٢٧٨) رقم الحديث (٤٤٦٣) من طريق عبدالوهاب به نحوه،و أخرجه البخاری فی التاريخ الأوسط (٣٩٧/١) من طريق عبدالوهاب به مختصرا۔ **وأخرجه غير واحد من طريق عوف منقطعاً بين أبي العالية و أبي ذر.**

[2] یہ تحریر ہماری کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں (ص۸۸تا۱۸۹) شائع کردی گئی ہے۔

واضح رہے کہ اس دوسری بات کو ہم اس روایت کی تضعیف میں بطور دلیل نہیں بلکہ بطور تائید پیش کرتے ہیں اور اس کی وضاحت ہم بار بار کر چکے ہیں [1] لیکن اس کے باوجود زبیر علی زئی صاحب اور ان کے اعوان وانصار ہمارے خلاف یہ پروپیگنڈا کئے جا رہے ہیں کہ ہم نے محض اس وجہ سے اس حدیث کو موضوع کہا کیونکہ اس سے کسی صحابی کا غلط کام سامنے آتا ہے۔اس کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔ [2]

بہرحال ہم نے قارئین کے سامنے پوری روایت پیش کردی ہے اب آگے بڑھتے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب آگے فرماتے ہیں:

''راقم الحروف نے اس حدیث کے دفاع پر مفصل تحقیقی مضمون لکھا جو مکتبہ الحدیث کی ویب سائٹ پر موجود ہے'' [3]

جناب کا یہ تحقیقی مضمون میری ان دو تحریروں کے جواب میں تھا جنہیں میں نے ان کے تعاقب میں پیش کیا تھا، موصوف نے اس مضمون میں باقاعدہ میرا نام لے کر رد کیا تھا۔پھر میں نے اس کا جواب الجواب دیا تھا جس کے بارے میں آگے موصوف لکھتے ہیں:

''اس تحقیقی مضمون کے خلاف کفایت اللہ سنابلی ہندی صاحب نے ایک جوابی تحریر لکھی ہے جو محترم محمد اسد حبیب اللہ نے پرنٹ نکال کر تقریبا ۶۵ صفحات کی صورت میں راقم الحروف کی طرف بھیجی ہے، جو ۲۲/ جون ۲۰۱۳ کو موصول ہوئی۔'' [4]

یہ ہمارا جواب الجواب تھا۔جو ۶۳ صفحات پر مشتمل موصوف کے مذکورہ مضمون کے رد میں تھا۔

---

[1] دیکھئے: رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: ص:۵۴۔ نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۶۵ تا ۷۴،۱۷۱ تا ۱۷۳۔

[2] دیکھئے یہی تحریر: (ص ۱۷۸ تا ۱۸۲)

[3] مقالات (۶/۳۸۸)

[4] مقالات (۶/۳۸۸)۔ جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ زبیر علی زئی صاحب کی زندگی میں ناچیز جواب دینے سے عاجز تھا وہ زبیر علی زئی صاحب کے ان الفاظ کو چشم عبرت سے پڑھیں اور ماتم کریں۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: ہماری یہی تحریر: ص ۳ تا ۴۔

موصوف نے ۶۵ صفحات پر مشتمل ہمارے جواب الجواب سے صرف ابتدائی ۵ صفحات کا جواب لکھا ہے اور بقیہ ۶۰ صفحات کا جواب دیا ہی نہیں۔ آگے لکھتے ہیں:

"سنابلی صاحب کی اس تحریر سے ان کے دس (۱۰) صریح جھوٹ باحوالہ مع ردِ پیشِ خدمت ہیں" [1]

یہ تو آنے والے اوراق ہی بتائیں گے کہ جھوٹ ہم نے بولا ہے یا ہم پر جھوٹ کی جھوٹی تہمت لگا کر خود آں جناب نے یہ نیک کام انجام دیا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہم نے اس روایت سے متعلق اہلِ علم کا موقف پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

"متقدمین ومتاخرین ومعاصرین میں سے متعدد اہلِ علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرار دیا ہے یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔" [2]

یہاں ہم نے اس روایت سے متعلق اہلِ علم کے موقف کے بارے میں چار طرح کی بات کہی تھی:

١ اہلِ علم نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔
٢ اہلِ علم نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔
٣ اہلِ علم نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔
٤ اہلِ علم نے اس روایت کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یعنی ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ہم جن محدثین کا نام پیش کررہے ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اسے موضوع بھی کہا ہے، منقطع بھی کہا ہے، مردود بھی کہا ہے اور مردود ہونے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، بلکہ ان میں سے کسی نے موضوع کہا ہے تو کسی نے منقطع کہا ہے اور کسی نے مردود قرار دیا ہے تو کسی نے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اب ہر ایک حوالے سے متعلق ہماری وضاحت اور الزامات کا جواب ملاحظہ ہو:

---

[1] مقالات (۶/۳۸۸)

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: ص:۴۰۔ نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص۹۱۔

پہلا حوالہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف

سب سے پہلے ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا تھا اس پر زبیر علی زئی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کا جائزہ لینے سے قبل یہ وضاحت مناسب رہے گی کہ زبیر علی زئی صاحب نے اس حوالہ کا جواب تیسرے نمبر پر دیا ہے جبکہ ہماری تحریر میں سب سے پہلا حوالہ یہی تھا۔

دراصل اس روایت کے باطل ہونے کے سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا حوالہ انتہائی اہم ہے اور بہت ہی واضح ہے اس لئے زبیر علی زئی صاحب نے اسے پیچھے ڈھکیل دیا ہے اور اس سے پہلے امام ابن عدی رحمہ اللہ اور امام ابن القسیر انی رحمہ اللہ کے حوالے کو لیکر ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں کر کے اپنی تحریر کے ابتدائی حصہ کو بوجھل کر دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ جو قاری ابتدا میں اکتا کر پوری تحریر پڑھنا چھوڑ دے وہ اس اہم حوالے پر آگاہی سے محروم ہی رہے۔ یا کوئی قاری پوری تحریر پڑھے بھی تو ابتداء ہی میں اپنا نشاط کھو بیٹھے اور آگے چل کر امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے پر زیادہ دھیان نہ دے سکے۔ نیز تیسرے نمبر پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے کے ساتھ موصوف نے غیر متعلق باتیں چھیڑ کر اصل بات کو گڈمڈ کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ بدترین مغالطہ بازی سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ بہر حال اب ہماری گذارشات ملاحظہ ہوں:

امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت

سب سے پہلے ہم امام بخاری رحمہ اللہ کا پورا کلام نقل کر کے اس کی وضاحت کریں گے پھر زبیر علی زئی صاحب کے الزامات کا جواب دیں گے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:٢٥٦ھ) فرماتے ہیں:

”حدثني محمد، قال: حَدَّثَنَا عبد الوهاب قال: حدثنا عوف عن المهاجر بن مخلد: قال: حَدَّثَنَا أبو العالية، قال: وحدثني أبو

مسلم قال: كان أبو ذر بالشام، وعليها يزيد بن أبي سفيان فغزا الناس فغنموا والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، وعليها معاوية، ومات يزيد في زمن عُمَر، **ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عُمَر** رضی اللہ عنہ"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ زیرِ بحث روایت کو ذکر کرکے فرما رہے ہیں کہ معروف (معلوم وثابت شدہ) بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں وفات پا گئے **اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا معلوم ہے۔"**

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے امیر تھے اور عہدِ فاروقی ہی میں وفات پا گئے اور عہدِ فاروقی میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا ثابت ہی نہیں ہے۔[2]

اور زیرِ بحث روایت میں اسی دور میں ابوذر رضی اللہ عنہ کو شام میں بتلایا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے شام میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو زیرِ بحث حدیث سنائی۔

یہ زبردست دلیل ہے کہ زیرِ بحث روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اور جس نے بھی اسے گھڑا ہے، وہ تاریخ سے نابلد تھا۔ اس نے یہ حدیث تو وضع کر دی کہ شام میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حدیث سنائی، لیکن اس بدنصیب کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ جس دور میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شام میں تھے، اس دور میں ابوذر رضی اللہ عنہ شام گئے ہی نہیں تھے، بلکہ اس کے بہت بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے پہلے ہی صحابیِ رسول یزید بن

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٣٩٧)

[2] بعد میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس دعوی پر ہمیں بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح وثابت ایک روایت بھی مل گئی دیکھئے ہماری کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ": ص ۱۹۰ تا ۱۹۸۔

ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے، لہٰذا ایک فوت شدہ شخص کو ابوذر رضی اللہ عنہ کوئی حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟! امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق سے اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہو گیا۔ و الحمد للہ.

امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کو پڑھنے کے بعد شاید ہی کوئی انصاف پسند شخص اس بات سے اختلاف کرے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو غیر ثابت و مردود غیر قرار دیا ہے بلکہ تاریخی اعتبار سے اسے جھوٹا ثابت کیا ہے۔

الزام کا جواب

امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت کے بعد اب زبیر علی زئی صاحب کا الزام دیکھتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے بلند بانگ دعوے ''متعدد اہل علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرر دیا ہے، یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے'' کے بعد لکھا ہے: ''امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) دیکھئے: [التاریخ الاوسط ۱/ ۳۹۷]۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے معلول بھی کا، دیکھئے [البدایہ والنھایۃ ۸/۱۳۱]۔'' (ص ۳) عرض ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ہرگز موضوع، مردود یا معلول نہیں کہا''[1]

زبیر علی زئی صاحب نے یہاں زیر بحث حدیث سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف ''موضوع''، ''مردود'' اور ''معلول'' کے قول کی نسبت کا انکار کیا ہے۔ ''معلول'' پر ہم آگے بات کریں گے سر دست عرض ہے کہ محولہ مقام پر ہم نے یہ بھی کہا تھا ''**<u>یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے</u>**'' جیسا کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی میرے ان الفاظ کو نقل کیا ہے۔ لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اس کا انکار کرتے ہوئے یہ کہنے کہ جرأت نہیں کی کہ ''**امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے**''۔

اس کا مطلب یہی ہوا کہ زبیر علی زئی صاحب کو بھی اتنی بات تسلیم ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر آں جناب نے اس حوالہ کو جھوٹا کیسے کہہ دیا؟

[1] مقالات (۶/۳۹۵)

یاد رہے کہ ہم شروع میں وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہماری طرف سے اہل علم کی پیش کردہ فہرست میں ہر ایک نے اس روایت کو موضوع بھی قرار دیا ہے، منقطع بھی قرار دیا ہے، مردود بھی قرار دیا ہے اور اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ بلکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ اہل علم کی پیش کردہ فہرست میں سے کسی نے اسے موضوع قرار دیا ہے، کسی نے منقطع قرار دیا ہے، کسی نے مردود قرار دیا ہے، کسی نے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دریں صورت جب ''مردود ہونے کی طرف اشارہ والی بات'' امام بخاری رحمہ اللہ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور اس کا انکار خود زبیر علی زئی صاحب کے بس سے بھی باہر ہے تو باوجود اس بے بسی کے آں جناب نے مجھ غریب پر تکذیب کے گولے کیسے برسادئے؟؟؟

بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے تو یہ بھی معنوی طور پر بالکل درست ہے۔ اگر زبیر علی زئی صاحب اس کا اس وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں لفظ ''مردود'' موجود نہیں ہے تو یہ سوائے حرف پرستی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ حرف پرستی بھی صرف اسی معاملے میں ہے ورنہ دیگر مقامات پر خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی معنوی طور پر اہل علم کی طرف اس طرح کی نسبتیں کی ہیں۔ مثلاً:

رفع الیدین سے متعلق حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضعیف میں آں جناب اکیس (۲۱) اہل علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''یہ سب امت مسلمہ کے مشہور علما تھے۔ ان کا اس روایت کو متفقہ طور پر ضعیف ومعلول قرار دینا ترمذی وابن حزم کی تصحیح پر ہر لحاظ سے مقدم ہے۔'' [1]

یہاں آپ نے ''معلول'' قرار دینے کی بات، وہ بھی متفقہ طور پر ''معلول'' قرار دینے کی بات اکیس اہل علم کی طرف منسوب کی ہے، سوال یہ ہے کہ ان اکیس میں سے کتنے اہل علم نے اپنے کلام میں لفظ ''معلول'' استعمال کیا ہے؟ اب اگر ان اہل علم کے کلام میں ''معلول'' کا لفظ نہ

---

[1] نور العینین، جدید ایڈیشن: (ص۱۳۴)

ملے تو حرف پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کو جھوٹا قرار دیا جائے اور آپ کی خدمت میں آپ کے اکیس صریح جھوٹ پیش کئے جائیں؟؟؟ اگر آپ کہیں کہ معلول سے آپ کی مراد ان اہل علم کا اس روایت پر قادح کلام کرنا ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ مردود سے ہماری مراد زیر بحث روایت پر امام بخاری کا قادح کلام کرنا ہے۔

نیز صرف مردود ہی نہیں بلکہ معنوی طور پر اگر یہ بھی کہا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں ایسی بات ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کے مطابق ممکن ہی نہیں اس لئے ناممکن بات بیان کرنا اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ پر بے سند اور بے حوالہ بات نقل کرنے کا اتہام

زبیر علی زئی صاحب نے آگے کہا:

''اور اس سلسلے میں حافظ ابن کثیر کا بے سند و بے حوالہ قول تحقیقی میدان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا''[1]

عرض ہے کہ زبیر علی زئی صاحب کا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نقل کردہ قول کو ''بے سند'' اور ''بے حوالہ'' کہنا دونوں غلط ہے۔

''بے حوالہ'' کہنا اس لئے غلط ہے کیونکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کا صریح حوالہ دیا ہے۔ اور ''بے سند'' کہنا اس لئے غلط ہے کیونکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ قول امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے نقل کیا ہے اور کتاب سے نقل کردہ بات کو بے سند نہیں کہا جاتا ہے۔ ورنہ آپ بھی جن اہل علم کی جو باتیں ان کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں وہ سب بے سند قرار پائیں گی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ دیکھیں:

[1] مقالات (۶/۳۹۵)

”وكذا رواه البخاري **في التاريخ** وأبو يعلى عن محمد بن المثنى عن عبد الوهاب، ثم قال البخاري: والحديث معلول“

”اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے (اپنی کتاب) تاریخ میں روایت کیا اور ابو یعلی نے عن محمد بن مثنی عن عبدالوہاب کے طریق سے روایت کیا ہے، **پھر اسے روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معلول ہے۔**“ [1]

غور کریں! امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: ”رواه البخاري في التاريخ“ (امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تاریخ میں روایت کیا ہے) اس کے چند لفظوں کے بعد ہی کہا: ”ثم قال البخاري: والحديث معلول“ (روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث معلول ہے)

معلوم ہوا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول ان کی کتاب التاریخ سے نقل کیا ہے اور کتاب سے نقل کردہ بات ثابت شدہ ہوتی ہے۔ عام طلبا بھی یہ بات جانتے ہیں کہ کتاب سے نقل کرنے والے کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ نقل کرنے والا شخص اپنی سند کتاب کے مولف تک پیش کرے، ورنہ آج کوئی شخص کوئی ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتا، کیوں کہ جوں ہی وہ کسی کتاب سے اسے نقل کرے گا، اس پر یہ سوال اُٹھے گا کہ تم اپنی صحیح سند صاحبِ کتاب تک پیش کرو!

قارئین! آپ نے دیکھ لیا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی کتاب کے حوالے سے مذکورہ بات نقل کی ہے اس لئے اسے بے سند اور بے حوالہ کہنا سراسر غلط ہے۔ اور زبیر علی زئی صاحب کے لہجے میں یہ صریح جھوٹ ہے۔

رہی یہ بات کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے موجودہ نسخہ میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ موجود نہیں ہیں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے دئے گئے حوالہ میں یہ بات نہیں ملتی۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ پر یہ بہتان ہرگز نہیں باندھ سکتے کہ انہوں نے حوالہ دیا ہی نہیں۔

---

[1] البداية والنهاية (١٣١/٨)

رہا یہ اشکال کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے ”والحدیث معلول“ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے موجودہ نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم نے اپنی تیسری تحریر میں لکھا تھا:

”اگر کوئی کہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نقل کردہ قول امام بخاری رحمہ اللہ کی ”التاريخ الأوسط“ میں ہے، لیکن اصل کتاب میں ”والحديث معلول“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ ”التاريخ الأوسط“ کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے تاریخ الاوسط کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں کا اختلاف عام بات ہے۔ آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کتاب کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہلِ علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہے، لہٰذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے جو نسخہ تھا، اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے، لہٰذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ محترم زبیر علی زئی نے سُترہ سے متعلق مسند بزار کی ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے، وہ روایت یہ ہے کہ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲ھ) نے کہا:

”حَـدَّثنا بِشُر بن آدم، قَال: حَدَّثنا أَبُو عَاصِم، عَن ابن جُرَيج، قال: أَخبَرنا عَبد الكريم، أنَّ مجاهدًا أخبره، عَنِ ابنِ عَبَّاس رضي الله عنه قال: أَتيتُ أنا والفضل علىٰ أتان، فمررنا بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم بعرفة، وهُو يصلي المكتوبة، لَيسَ شَيئٌ يَستُره، يحُولُ بَينَنَا وَبَينَهُ“[1]

اس سند میں ایک راوی عبدالکریم ہے۔ یہ کون ہے؟ اس کا تعین ایک مشکل کام ہے، کیوں کہ اسی نام کا ایک اور ضعیف راوی ہے اور یہ بھی اتفاق سے مجاہد کا شاگرد اور

[1] مسندالبزار(۱۱/۲۰۱) رقم الحديث (٤٩٥١)

ابن جریج کا استاذ ہے، اس لیے یہ پریشان کن بات ہے کہ یہ راوی کون ہے؟ لیکن محترم زبیر علی زئی نے غالباً اس کا تعین ''عبدالکریم الجزری'' سے کیا ہے۔ اسی وجہ سے موصوف نے اس سند کو حسن کہا ہے اور تعین کے لیے آں محترم نے غالباً اس بات کو دلیل بنایا ہے کہ امام ابن بطال رحمہ اللہ نے بزار کی اسی روایت کو سند کے ساتھ نقل کیا اور ان کی نقل میں سند کے اندر ''عبدالکریم'' کی ''الجزری'' سے تعین موجود ہے۔[1]

چناں چہ امام ابن بطال رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۹ھ) نے کہا:

"ذکر البزار، قال: حدثنا بشر بن آدم، قال: حدثنا أبو عاصم، عن ابن جريج قال: حدثني عبد الكريم الجزري أن مجاهدًا أخبره عن ابن عباس قال: أتيتُ أنا والفضل على أتانٍ، فمررنا بين يدي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة، وهو يصلي المكتوبة، ليس بشيئ يَستُره، يحول بيننا وبينه"[2]

عرض ہے کہ ''عبدالکریم'' کی تعیین کرنے والا یہ لفظ ''الجزری'' اصل کتاب مسند بزار میں یا اس وقت اس کے کسی بھی دستیاب مخطوطے میں موجود نہیں ہے تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام ابن بطال رحمہ اللہ کی نقل کردہ سند غیر معتبر ہے؟

ہرگز نہیں، بلکہ یہاں پر یہی کہا جائے گا کہ یہ نسخوں کا اختلاف ہے اور امام ابن بطال رحمہ اللہ کے سامنے مسند بزار کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ سند اس تعیین والے لفظ کے ساتھ مرقوم تھی اور موجودہ نسخے میں یہ لفظ موجود نہیں ہے، لیکن اس کا بھی اعتبار ہوگا، کیوں کہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اسے کتاب سے نقل کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ابن کثیر رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کی

---

1. مؤطا امام مالک مترجم از زبیر علی زئی (ص ۲۶۶)
2. شرح صحیح البخاری لابن البطال (۲/ ۱۲۹)

کتاب ''تاریخ'' سے نقل کیا ہے اور وہ بھی قدیم نسخے سے، والحمدللہ۔ [1]

زبیر علی زئی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ ایک غیر متعلق مثال پیش کی جو بفرض صحت خود ان کے بھی خلاف ہے، ملاحظہ ہو:

امام ذہبی رحمہ اللہ کا کتاب الثقات لابن حبان سے ''حدیثه معلل'' کا قول نقل کرنا

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ بالکل اسی طرح کی مثال ہے کہ حافظ ذہبی نے فاتحہ خلف الامام کی ایک صحیح حدیث پر حافظ ابن حبان کی کتاب الثقات سے جرح نقل کی ہے: ''وقال: حدیثه معلل'' اور ابن حبان نے کہا: اس (نافع بن محمود المقدسی) کی حدیث معلول ہے (میزان الاعتدال ۴/۲۴۲ ت ۸۹۹۵) حالانکہ یہ الفاظ حافظ ابن حبان سے ہرگز ثابت نہیں۔ دیکھئے تحقیق الکلام للمبارکفوری (۱/۸۳-۸۶ چوتھی حدیث)'' [2]

عرض ہے کہ:

اولا:-

اس مثال کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کی زد خود آپ کی حسن قرار دی گئی بزار کی محولہ حدیث پر بھی پڑتی ہے اس کا جواب کون دے گا؟

ثانیا:-

یہ مثال ہی غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہاں امام ذہبی رحمہ اللہ نے معنوی طور پر ابن حبان رحمہ اللہ کی بات نقل کی ہے، چناں چہ تحقیق الکلام عربی کے حاشیہ میں فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] دیکھئے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: (ص:۱۰-۱۱)۔ نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: (ص:۱۰۱-۱۰۲)

[2] مقالات (۶/۳۹۵)

”ومن الممكن أن الذهبي ذكر قول ابن حبان بالمعنى على ما فهمه منه“[1]

”یہ بھی ممکن ہے کہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن حبان رحمہ اللہ کا قول معنوی طور پر اپنی سمجھ کے مطابق ذکر کیا ہے۔“

ہماری نظر میں یہی بات راجح ہے، کیوں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حبان رحمہ اللہ کے مزید الفاظ نقل نہیں کیے ہیں اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی منقولہ بات معنوی طور پر ابن حبان رحمہ اللہ کے ان الفاظ میں موجود ہے جو الفاظ ”الثقات“ کے ہر نسخے میں مذکور ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کے جواب میں بدترین مغالطہ بازی

زبیر علی زئی صاحب آگے فرماتے ہیں:

”ہم نے التاریخ الاوسط للبخاری (۱/ ۳۹۷-۳۹۸ ح ۱۳۷) دیکھ لی ہے، امام بخاری نے ” المهاجر أبو مخلد حدثنا أبو العاليه وحدثني أبو مسلم ...“ والی حدیث کے بعد صرف یہ فرمایا: ”والمعروف أن أباذر كان بالشام زمن عثمان وعليها معاوية ومات يزيد في زمن عمر ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر“

۱: اور مشہور معروف یہی ہے کہ عثمان کے زمانہ میں ابوذر شام میں تھے اور وہاں کے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) تھے۔

۲: اور (یزید بن ابی سفیان) عمر (رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں فوت ہوئے۔

۳: اور عمر کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہما) کا شام جانا معروف نہیں (انتہی)

عرض ہے کہ سیدنا عثمان کے زمانے میں ہی سیدنا ابوذر شام سے مدینے تشریف لے آئے تھے، لہٰذا عہد عثمانی سے بعض زمانہ مراد ہے۔ دوسری بات بھی صحیح ہے، لیکن تیسری بات میں اس وجہ سے نظر ہے کہ حسن لذاتہ یعنی صحیح حدیث میں عہد فاروقی میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا شام میں ہونا ثابت ہے (دیکھئے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا یزید: یہ حدیث

---

[1] تحقيق الكلام عربي (ص: ١٧٧)

ثابت ہے: ص ۲۵، ۲۶ المطالب العالیہ ۷/ ۶۴۵ ح ۴۴۵۹ ۲/)''[1]

اس اقتباس میں ہمارا اصل مقصود وہی جملہ ہے جس کو زبیر علی زئی صاحب خط کشیدہ الفاظ میں محل نظر بتلا رہے ہیں۔ اور اس محل نظر کی توضیح میں موصوف نے بدترین مغالطہ بازی سے کام لیا ہے جس کی مفصل تردید ہم نے اپنی تیسری تحریر میں کردی تھی لیکن اس کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے آں جناب نے پھر یہی مغالطہ دہرادیا ہے۔ اس مغالطہ کی مفصل تردید کے لئے قارئین ہماری تیسری تحریر کی طرف مراجعت فرمائیں[2]۔ یہاں ہم صرف بعض حصہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، چناں چہ ہم نے لکھا تھا:

''محترم زبیر علی زئی نے امام بخاری کے فیصلے کے خلاف جس روایت کو پیش کیا ہے، وہ بالکل وہی روایت ہے جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نقد کر رہے ہیں اور جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، اس کی سند بھی وہی ہے اور مضمون بھی وہی ہے۔ حافظ موصوف نے بس اتنا کیا کہ اسی روایت کو ایک دوسری کتاب سے پیش کر دیا اور قارئین کو یہ تاثر دیا کہ یہ کوئی علاحدہ روایت ہے، جس سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کا صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ انتہائی عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جس روایت پر نقد کر رہے ہیں، عین اسی روایت کو دوسری کتاب سے پیش کر کے یہ باور کرایا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کے خلاف ثبوت مل رہا ہے؟

یہ تو بالکل وہی مثال ہوئی کہ بریلویوں کی کتاب ''فیضانِ سنت'' میں جو یہ لکھا ہے کہ

[1] مقالات (۶/ ۳۹۵-۳۹۶)

[2] دیکھئے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: ص: ۲۴ تا ۲۷۔ نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۲۴ تا ۱۲۸۔

اللہ کے نبی ﷺ نے خواب میں اس کتاب کو پسند فرمایا ہے۔ اب کوئی اہلِ حدیث اس بات کا انکار کرے تو اس انکار پر کوئی بریلوی اسی کتاب کا دوسرا اڈیشن لاکر یہ کہے: دیکھو اس میں تمھارے دعوے کے خلاف ثبوت موجود ہے!!

محترم زبیر علی زئی سے درخواست ہے کہ زیر بحث روایت کو پہلے صحیح تو ثابت کریں، اس کے بعد اسے بطورِ دلیل پیش کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خاص اس روایت پر جرح کی ہے، لہٰذا جب تک آپ اس جرح کا ازالہ دیگر ائمہ نقد کے حوالوں سے پیش نہ کردیں، تب تک یہ روایت جرح کی زد سے باہر نہیں نکل سکتی اور جب تک یہ روایت جرح کی زد سے باہر نہیں نکل سکتی، تب تک یہ صحیح بھی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے آں جناب پہلے اس روایت کو جرح کی زد سے نکالیں اور اس پر کی گئی جرح کا ازالہ پیش کریں، ورنہ یہ روایت صحیح ثابت نہیں ہو سکے گی، بلکہ ضعیف ہی رہے گی اور ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے سے پہلے ہی بطورِ دلیل پیش کرنا، بلکہ اس پر کی گئی جرح ہی کے جواب میں پیش کردینا انتہائی نامعقول بات ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ مضحکہ خیز بھی ہے۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کے جواب میں زبیر علی زئی صاحب کی بے بسی

یزید والی حدیث پر ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی جو جرح پیش کی ہے اس کا کوئی جواب زبیر علی زئی صاحب سے نہیں بن پڑا، اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جناب نے یہ مضحکہ خیزی کی امام بخاری رحمہ اللہ کی دوسری دو جرحیں صحیح مسلم کی دو احادیث پر پیش کرکے اس کا جواب دیا ہے۔

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: ص: ۲۷۔ نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۲۷ تا ۱۲۸۔

زبیرعلی زئی صاحب کا صحیح مسلم کی ایک حدیث پرامام بخاری رحمہ اللہ کی جرح پیش کرنا

زبیرعلی زئی صاحب فرماتے ہیں:

''امام بخاری کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بعض روایتوں اورراویوں کے بارے میں ''ولا یعرف'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے [1]۔جس کی ایک مثال فقرہ نمبر ا مثال نمبر ۵ کے تحت گذر چکی ہے۔

ایسی حالت میں اصول حدیث اوراسماء الرجال مدنظر رکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔صحیح مسلم کی حدیث مذکور کے بارے میں امام بخاری کا قول''ولا یعرف سماعہ''اصول حدیث اوراسماء الرجال کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے اوردوسرے یہ کہ اس سے صحیح مسلم کی صحیح حدیث کا منقطع یعنی ضعیف ہونا لازم آتا ہے جوکہ باطل ہے۔'' [2]

کیا خوب اوردندان شکن جواب ہے! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جواب پر ہم اپنا سر پیٹ لیں یا کسی دیوار سے ٹکرا جائیں! جناب کوامام بخاری رحمہ اللہ کی ایک جرح کا کوئی جواب سجھائی نہیں دیا توان کی دوسری جرح اٹھا کر اس کا جواب لکھ مارا ! سبحان اللہ!

محترم! اس مثال میں آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی جوجرح پیش کی ہے اس کا ہماری طرف سے پیش کردہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح سے کوئی مماثلت قطعاً نہیں ہے۔نیز اس کے خلاف

---

[1] یہ الفاظ صرف امام بخاری ہی نہیں بلکہ دیگر محدثین بھی استعمال کرتے ہیں۔مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے ''لا یعرف'' کے الفاظ میں ایک چیز کا انکار کیا ہے توٹھیک انہیں الفاظ میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے ابوقلابہ کی تدلیس کا انکار کیا ہے اورزبیرعلی زئی صاحب امام ابوحاتم کے انہیں الفاظ سے حجت پکڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حافظ ذہبی سے زیادہ بڑے امام اور متقدم محدث ابوحاتم الرازی نے ابوقلابہ کے بارے میں فرمایا:''لا یعرف له تدلیس'' اوراُن کا تدلیس کرنا معروف (معلوم) نہیں ہے۔(کتاب الجرح والتعدیل: ۵/ ۵۸)'' [دیکھیں:علمی مقالات:۳/۴۹۶،۴۹۷۔معروف کے بعد بریکٹ میں (معلوم) زبیرعلی زئی صاحب ہی کی طرف سے ہے]

غورکیا جائے کہ ''لا یعرف'' کے الفاظ سے ابوحاتم رحمہ اللہ نے ایک چیز کا انکار کیا تونہ صرف یہ کہ اس سے حجت پکڑی جارہی ہے، بلکہ اسے امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کے خلاف پیش کیا جارہا ہے۔اور یہاں توامام بخاری رحمہ اللہ کے ''لا یعرف'' کے خلاف کسی کا قول بھی موجودنہیں،پھربھی اسے ناقابل احتجاج بتلانا چہ معنی دارد؟

[2] مقالات (۳۹۶/۶)

دیگر محدثین کے فیصلے بھی موجود ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

فرق کی وضاحت:

’’ثبوت سماع‘‘ اور’’ امکان لقاء‘‘ کے انکار میں فرق ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے جو مثال پیش کی ہے اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک راوی سے دوسرے راوی کے’’صریح سماع‘‘ کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ اور محض’’صریح سماع‘‘ کے عدم ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کی آپس میں ملاقات وسماع بھی ناممکن ہے۔ چناں چہ دوراویوں کے مابین اگر’’سماع کا صریح‘‘ ثبوت نہ ملے لیکن دونوں ایک دوسرے کے معاصر ہوں اور معاصرت کے ساتھ دونوں کے مابین ملاقات کا بھی امکان ہو تو ان دونوں کی روایت کو دیگر محدثین کے یہاں اتصال پر محمول کیا جاتا ہے اور’’سماع کے صریح‘‘ ثبوت نہ ہونے کو مضر نہیں قرار دیا جاتا ہے۔

تحقیق سماع سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ معیار کمال صحت کے لئے ہے اور ان کا یہ معاملہ صرف ان کی کتاب’’صحیح بخاری‘‘ کے ساتھ مختص ہے [1] لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اور بعض اہل علم کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ معیار کسی بھی روایت کی صحت کے لئے ہے۔ [2]

اور یہی بات درست ہے لیکن دیگر محدثین اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ پہلی صورت میں امام بخاری رحمہ اللہ کے ایسے فیصلہ سے صحیح مسلم کی حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور دوسری صورت میں امام بخاری رحمہ اللہ سے دیگر محدثین کا اختلاف موجود ہے بلکہ بعض نے سماع کا اثبات بھی کیا ہے کما سیاتی، اس لئے اس سے بھی صحیح مسلم کی روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بہر حال یہ سارا معاملہ’’ صریح سماع‘‘ کے ثبوت سے متعلق ہے جس کا کوئی ادنی تعلق بھی

---

[1] الباعث الحثيث لابن كثير (ص٤٣)، محاسن الاصطلاح تضمين كتاب ابن الصلاح للبلقيني (ص١٥٨)

[2] النكت على كتاب ابن الصلاح(٢/٥٩٥)، فتح المغيث للسخاوی(١/١٦٥)، التنكيل (١/٨٣) دیکھئے: (ص٤٧)

اس جرح سے نہیں ہے جسے ہم نے یزید والی روایت سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کیونکہ یزید والی روایت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی نوعیت بالکل علیحدہ ہیں، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ ایک خاص مقام پر دو صحابہ کے مابین محض ''ثبوت سماع'' کا نہیں بلکہ سرے سے ''امکان لقاء'' ہی کا انکار کر رہے ہیں اور جب لقاء ہی ناممکن ہو تو ''صریح سماع'' یا ''امکان سماع'' کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس معاملہ میں ''صریح سماع'' کے انکار والی بات پیش کرنا بالکل بے محل، لغو اور لایعنی ہے۔

دیگر محدثین کے مخالف فیصلے:

بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ جرح ہماری طرف سے پیش کردہ جرح سے مماثلت رکھتی ہے تو بھی زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ مثال بے سود ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ سے ہماری نقل کردہ جرح کے خلاف روئے زمین کے کسی بھی محدث کا فیصلہ موجود نہیں ہے۔ جبکہ زبیر علی زئی صاحب کے نقل کردہ جرح کے خلاف دیگر محدثین کے فیصلے موجود ہیں۔ چناں چہ:

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳) نے کہا:

''عبدالله بن معبد الزمانی البصری سمع أبا قتادة الأنصاری''[1]

''عبداللہ بن معبد الزمانی البصری نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے''

نیز جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان سب کا فیصلہ امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف موجود ہے خود زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

> ''مسلم، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، ابن حبان، بغوی اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ وغیرہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اس روایت پر معلول، منکر، منقطع اور لایعرف سماعہ وغیرہ کی سب جروح جمہور کے مقابلے میں مردود ہیں۔''[2]

اب سوال یہ ہے کہ ہماری طرف سے نقل کردہ جرح کے خلاف جمہور تو در کنار کسی ایک بھی محدث کا فیصلہ موجود ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے خلاف بطور مثال ایسی جرح پیش کرنے کا کیا فائدہ جس کے برخلاف بعض ہی نہیں بلکہ جمہور محدثین کے فیصلے موجود ہیں؟؟؟

---

[1] المتفق والمفترق للخطیب البغدادی (۳/ ۱۶)

[2] مقالات (۶/۳۹۱)

زبیرعلی زئی صاحب کا صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح پیش کرنا

زبیرعلی زئی صاحب فرماتے ہیں:

''دوسری مثال: صحیح مسلم میں أیوب بن خالدعن عبداللہ بن رافع عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ کی سند سے ''خلق التربۃ یوم السبت..'' والی مرفوع حدیث آئی ہے ۔۔۔ (اس کے بعد متنِ حدیث کا خلاصہ اوراس کے رجال کا تعارف پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:) خلاصہ یہ کہ یہ حدیث صحیح یا حسن لذاتہ ہے۔اس کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا:''وقال بعضھم عن أبی ھریرۃ عن کعب وھو أصح'' اوربعض نے اسے ابوہریرہ عن کعب (الاحبار) کی سند سے روایت کیا ہے اوروہ زیادہ صحیح ہے۔(التاریخ الکبیر ا/ ۴۱۳-۴۱۴ ت ۱۳۱۷)''[1]

اس مثال میں بھی زبیرعلی زئی صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کی جو جرح پیش کی ہے اس کا ہماری طرف سے پیش کردہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح سے کوئی مماثلت قطعاً نہیں ہے نیز اس کے خلاف بھی دیگر محدثین کے فیصلے موجود ہیں۔تفصیل ملاحظہ ہو:

فرق کی وضاحت:

فرق تو بعدالمشرقین کا ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ سے ہم نے جو نقل کیا ہے وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح ہے جس میں ایک خاص مقام پر ایک خاص دور میں دو صحابہ کے امکان لقاء کا انکار ہے جبکہ زبیرعلی زئی صاحب نے یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو روایات میں سے ایک روایت کو''اصح'' کہا ہے۔

دیگر محدثین کے مخالف فیصلے:

بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ زبیرعلی زئی صاحب کی پیش کردہ یہ جرح ہماری طرف سے پیش کردہ جرح سے مماثلت رکھتی ہے تو یہاں بھی زبیرعلی زئی صاحب کی پیش کردہ مثال بے سود ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ سے ہماری نقل کردہ جرح کے خلاف روئے زمین کے کسی بھی محدث کا فیصلہ موجود نہیں ہے۔جبکہ زبیرعلی زئی صاحب کے نقل کردہ جرح کے خلاف دیگر محدثین کے

[1] مقالات (۶/۳۹۶-۳۹۷)

فیصلے موجود ہیں۔

چناں چہ دو محدثین (امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور الفخر ابن البخاری رحمہ اللہ) کا حوالہ تو خود زبیر علی زئی صاحب نے پیش کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [1]

ان کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) [2]، امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی ۳۵۴) [3]، ابوبکر ابن الانباری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۰) [4]، ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳) [5]، ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) [6] نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اب یہاں بھی ہمارا سوال ہے کہ ہماری طرف سے نقل کردہ جرح کے خلاف کسی ایک بھی محدث کا فیصلہ موجود ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہمارے خلاف بطور مثال ایسی جرح پیش کرنے کا کیا فائدہ جس کے برخلاف دیگر محدثین کے فیصلے موجود ہیں؟؟؟

زبیر علی زئی صاحب ناچیز کے خلاف قارئین کو اشتعال دلانے کے لئے ''دفاع صحیحین'' کا نعرہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو شخص یزید بن معاویہ والی حدیث کو معلول کہنے پر بضد ہے، اسے چاہئے کہ وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون صحیحین کا دفاع کرتا ہے اور کون صحیحین پر ''ہاتھ صاف'' کرتا ہے۔'' [7]

قارئین! ہم پچھلی سطور میں پوری طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ ہماری پیش کردہ جرح کا صحیح مسلم کی کسی بھی حدیث سے کوئی تعلق ہرگز نہیں ہے، زبیر علی زئی صاحب نے خود اپنی طرف

---

1. مقالات (۳۹۶/۶)
2. صحیح مسلم رقم (۲۷۸۹)
3. صحیح ابن حبان رقم (۶۱۶۱)
4. مجموع الفتاوی (۱۸/۱۸)
5. احکام القرآن (۴۳/٤)
6. زادالمسیرلابن الجوزی (٤٦/٤)
7. مقالات (۳۹۸/۶)

سے ''صحیح مسلم'' کی حدیث پر الگ نوعیت کی جرح نقل کر کے ہمیں دعوت تضعیف دی ہے۔ یہ ہمارے کسی بھی اصول اور کسی بھی طرز عمل کا قطعا کوئی تقاضا نہیں ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے محض قارئین کو مشتعل کرنے کے لئے ایک گندی چال چلی ہے جو ہر گز کامیاب نہیں ہوگی۔

بلکہ قارئین کو یہ جان کر زبیر علی زئی صاحب کی اس حرکت سے گھن محسوس ہوگی کہ صحیح مسلم کی جس حدیث کی تضعیف کو موصوف نے صحیحین پر ''ہاتھ صاف'' کرنے سے تعبیر کیا ہے اسے عام اہل علم نہیں بلکہ کئی جلیل القدر محدثین واہل علم نے غلط وضعیف قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے قول سے احتجاج کیا ہے۔ مثلا:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ [1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ [2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ [3]

نیز معاصرین میں سے دو جلیل القدر اہل علم شیخ بن باز رحمہ اللہ [4] اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ [5] نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اب کیا زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں ان ائمہ واہل علم نے صحیحین پر ''ہاتھ صاف'' کیا ہے؟ شرم نہیں آتی کہ محض ناچیز کو مطعون کرنے کے لئے نوکِ قلم سے ایسے بے ہودہ الفاظ صادر کئے جارہے ہیں جن کی زد ناچیز پر نہیں بلکہ جلیل القدر محدثین واہل علم پر پڑتی ہے۔

اور لطف تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی بات کو غلط کہہ کر نہ صرف ''صحیح مسلم'' بلکہ ''صحیحین'' کے دفاع کا ڈھڈورا پیٹے جارہے ہیں۔! بھلے آدمی! ''صحیحین'' میں ایک ''صحیح بخاری''

---

[1] مجموع الفتاوی (۱۸/۱۸،۱۷/۲۳۶)

[2] المنارالمنیف لابن القیم (ص ۸٤،۸۵)

[3] البداية والنهاية، مكتبة المعارف(۱/۱۷) ، تفسير ابن كثير ط العلمية(۸/۳۲۱)

[4] مجموع فتاوى ابن باز (۲۵/۷۰)

[5] شرح رياض الصالحين (٦/٦٧٥)

بھی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی تصنیف ہے، اب یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی بات کو ''غلط'' کہہ کر انہیں کی کتاب ''صحیح بخاری'' کے دفاع کا پرچم لہرایا جائے؟

بہرحال ہم صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی کسی بھی حدیث کو ضعیف نہیں کہتے۔ اور نہ ہی ہمارا ایسا کوئی طرز عمل ہے جس سے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی کسی حدیث کی تضعیف لازم آتی ہو۔

اگر ہم نے یزید والی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی ایسی جرح تسلیم کر لی ہے جو مبنی برحقیقت ہے اور جس کی مخالفت روئے زمین کے کسی محدث نے نہیں کی ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح مسلم کی حدیث پر کی گئی وہ جرح بھی تسلیم کریں جو درست نہیں اور جس کے خلاف دیگر محدثین کے فیصلے موجود ہیں۔ کیونکہ ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کو معصوم نہیں مانا ہے اور نہ یہ اعلان کیا ہے کہ ان کی ہر جرح پر ایمان لانا فرض ہے خواہ وہ دیگر محدثین کے خلاف ہی ہو۔

زبیر علی زئی صاحب کا یہ جواب کہ ناچیز نے یزید والی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح قبول کی ہے تو صحیح مسلم کی حدیث پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح قبول کرے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے کہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے تو اسے یہ جواب دیا جائے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بخاری ومسلم کی بعض احادیث کو بھی ضعیف کہا ہے۔ پھر اس سے مطالبہ کیا جائے کہ آپ صحیحین کی ان احادیث کو بھی ضعیف قرار دیں تا کہ تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کون صحیحین کا دفاع کرتا ہے اور کون صحیحین پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔!

ظاہر ہے کہ کوئی بھی علامہ البانی رحمہ اللہ کو معصوم نہیں سمجھتا ہے۔ اس لئے اگر کسی نے کسی مقام پر علامہ البانی رحمہ اللہ کی ایسی تحقیق جس کا غلط ہونا ثابت نہیں ہے اس پر اعتماد کر لیا تو اب اس پر یہ کیسے فرض ہو جائے گا کہ وہ علامہ البانی رحمہ اللہ کی ہر تحقیق پر ایمان لائے۔ خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں؟

یہی معاملہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کا بھی ہے۔

اگر ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی ایسی تحقیق پر اعتماد کیا ہے جس کا غلط ہونا ثابت نہیں ہے جس کے خلاف روئے زمین کے کسی عالم نے ایک حرف بھی نہیں کہا ہے بلکہ کئی اہل علم نے اسے قبول اور منظور فرمایا ہے۔ تو ایسا کرنے سے ہم اس بات کے پابند کیسے ہو سکتے ہیں کہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کی اس بات کو بھی تسلیم کریں جو درست نہ ہو اور اس کے خلاف دیگر ائمہ واہل علم کے فیصلے موجود ہوں؟؟؟

ہماری اتنی وضاحت کے باوجود بھی اگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو آیئے زبیر علی زئی صاحب ہی کی زبان میں سمجھا دیتے ہیں، زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر کسی محدث کا کوئی قول بطور تائید پیش کیا جائے تو **بعض چالاک قسم کے لوگ** اس محدث کے دوسرے اقوال پیش کر کے یہ پرپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ ان اقوال کو کیوں نہیں مانتے عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہے لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہو بلکہ دلائل کے ساتھ اس اُمتی شخص سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا جرم نہیں ہے۔ لہٰذا حاکم نیشاپوری **وغیرہ** کو دوسرے مقامات پر اگر غلطیاں لگی ہوں تو ان سے اختلاف کرنا ہر صاحبِ فہم کا حق ہے'' [1]

عرض ہے کہ بعض چالاک قسم کے لوگوں کی اسی چالاکی کو مستعار لے کر زبیر علی زئی صاحب ہمارے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

---

[1] نور العینین [جدید ایڈیشن] :(ص ۳۹۱-۳۹۲)

کیا ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی؟

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''بطور فائدہ عرض ہے کہ ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی ہے، بلکہ علت کی دو قسمیں ہیں:
(۱) علت قادحہ (یہ روایت ضعیف ہوتی ہے)
(۲) علت غیر قادحہ (یہ روایت ضعیف نہیں ہوتی ہے)''[1]

عرض ہے کہ علت اور معلول میں فرق ہے۔علت کی دو قسمیں کی جاتی ہیں لیکن معلول کے بارے میں یہ کہنا کہ ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اہل بدعت کہتے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ومردود نہیں ہوتی ہے بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

① بدعت حسنہ (یہ جائز ومستحب ہے)

② بدعت سیئہ (یہ ناجائز وحرام ہے)

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہر بدعت گمراہی ومرددد ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح ہر معلول حدیث ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کے بقول کسی حدیث کو معلول کہنا اور پھر اسے صحیح بھی کہنا ایک ہی وقت میں دن اور رات دونوں کا دعوی کرنا ہے۔جیسا کہ آگے ہم ان کے الفاظ نقل کر رہے ہیں۔

ہمارے علم کی حد تک محدثین میں سے جس نے بھی معلول کی تعریف کی ہے سب نے اس کی تعریف میں یہی کہا ہے کہ یہ غیر صحیح ہوتی ہے، مثلا:

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی ٦٤٣) فرماتے ہیں:

''مَعْرِفَةُ الْحَدِيثِ الْمُعَلَّلِ وَيُسَمِّيهِ أَهْلُ الْحَدِيثِ (الْمَعْلُولَ)''[2]

''معلل حدیث کی معرفت اور محدثین اسے معلول کا نام دیتے ہیں''

---

① مقالات (٦/٣٩٨)

② مقدمة ابن الصلاح (ص ٨٩)

اس کے بعد امام ابن الصلاح رحمہ اللہ معلول حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَالْحَدِيثُ الْمُعَلَّلُ هُوَ الْحَدِيثُ الَّذِي **اطُّلِعَ فِيهِ عَلَى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِي صِحَّتِهِ**، مَعَ أَنَّ ظَاهِرَهُ السَّلَامَةُ مِنْهَا۔ وَيَتَطَرَّقُ ذَلِكَ إِلَى الْإِسْنَادِ الَّذِي رِجَالُهُ ثِقَاتٌ، الْجَامِعِ شُرُوطَ الصِّحَّةِ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ"[1]

"معلل (یعنی معلول) وہ حدیث ہے **جس کے اندر موجود کسی ایسی علت پر آگاہی حاصل ہوجائے جو صحت حدیث کے لئے قادح ہو**، جبکہ بظاہر وہ حدیث اس سے سالم معلوم ہو۔ اور یہ معاملہ ایسی سند کے ساتھ ہوتا ہے جس کے رجال ثقہ ہوتے ہیں اور بظاہر اس میں صحت کی شرطیں موجود ہوتی ہیں"

غور فرمائیں امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے معلول حدیث کی تعریف میں "**اطُّلِعَ فِيهِ عَلَى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِي صِحَّتِهِ**" (جس کے اندر موجود کسی ایسی علت پر آگاہی حاصل ہوجائے جو صحت حدیث کے لئے قادح ہو) کہا ہے۔ یعنی معلول حدیث کہتے ہی اسی حدیث کو ہیں جس کے اندر علت قادحہ موجود ہو جو صحت حدیث کے لئے مانع ہو۔ یعنی ہر معلول حدیث ضعیف و مردود ہی ہوتی ہے اس لئے یہ کہنا کہ "**ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی ہے**" بہت بڑا عجوبہ ہے۔ اور زبیر علی زئی صاحب کے لہجے میں یہ "صریح جھوٹ" ہے۔

تنبیہ:

بعض اہل علم نے لغوی طور پر حدیث کے ظاہر اسبابِ ضعف پر بھی علت کا اطلاق کیا ہے۔ جیسے کذب، سوء حفظ، ضعف، مخالفت وغیرہ۔

پھر اگر کسی حدیث کے اندر اس طرح کا شدید اور مضر ضعف نہ ہو تو بعض نے اس پر صحیح معلول کا اطلاق کیا ہے۔

یہ اطلاق نادر اور لغوی اعتبار سے ہے نہ کہ اصطلاحی اعتبار سے یہ ایسے ہی ہے جیسے

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص ۹۰)

بعض اہل علم نے ''صحیح شاذ'' کا اطلاق کیا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاذ کی دو قسمیں ہوگئیں :ایک صحیح شاذ اور ایک ضعیف شاذ، بلکہ ہر شاذ حدیث ضعیف و مردود ہی ہے اسی طرح ہر معلول حدیث ضعیف و مردود ہے۔

اور لغوی اعتبار سے نادر اطلاق سے اصطلاحی مفہوم نہیں بدلتا ہے جیسا کہ بدعت کا بھی یہی معاملہ ہے کہ بعض مقامات پر لغوی اعتبار سے سنتوں پر بھی بدعت کا اطلاق ہوا ہے جیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز کے بارے میں کہا کہ: ''**نعم البدعة هذه**'' .[1]

ظاہر ہے کہ یہ لغوی اطلاق ہے، اور اس کی وجہ سے بدعت کے اصطلاحی مفہوم پر کوئی فرق نہیں پڑھے گا۔ یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہوگئیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

ٹھیک اسی طرح معلول کا بھی مسئلہ ہے کسی کے نادر اور لغوی اطلاق سے اس کا اصطلاحی مفہوم ہرگز نہیں بدل سکتا ہے۔

امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے بھی علت کی بحث کے بعد بعض اہل علم کے اس اطلاق کی طرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ ان کی تعریف پر کسی کو اعتراض نہ ہو سکے چنانچہ کہا:

''وَسَمَّى التِّرْمِذِيُّ النَّسْخَ عِلَّةً مِنْ عِلَلِ الْحَدِيثِ۔ ثُمَّ إِنَّ بَعْضَهُمْ أَطْلَقَ اسْمَ الْعِلَّةِ عَلَى مَا لَيْسَ بِقَادِحٍ مِنْ وُجُوهِ الْخِلَافِ، نَحْوَ إِرْسَالِ مَنْ أَرْسَلَ الْحَدِيثَ الَّذِي أَسْنَدَهُ الثِّقَةُ الضَّابِطُ حَتَّى قَالَ: مِنْ أَقْسَامِ الصَّحِيحِ مَا هُوَ صَحِيحٌ مَعْلُولٌ، كَمَا قَالَ بَعْضُهُمْ: مِنَ الصَّحِيحِ مَا هُوَ صَحِيحٌ شَاذٌّ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ''[2]

''امام ترمذی نے حدیث کے منسوخ ہونے کو بھی علل حدیث میں سے ایک علت قرار دیا ہے نیز بعض اہل علم نے لفظ علت کا اطلاق (راویوں کی) مخالفت کی ایسی صورتوں پر کیا ہے جو قادح نہ ہوں۔ جیسے کسی کا ایسی حدیث کا مرسل بیان کر دینا جسے

---

[1] صحيح بخاري رقم (٢٠١٠)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص ٩٣)

ثقہ اور ضابط نے مسند بیان کیا ہو۔ یہاں تک کہ کہا: صحیح کے اقسام میں سے صحیح معلول ہے، جیسا کہ دیگر اہل علم نے کہا صحیح کے اقسام میں صحیح شاذ [1] ہے واللہ اعلم“

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ اطلاق نادر اور لغوی اعتبار سے ہے یہاں اصطلاحی معنی میں معلول مراد نہیں ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی درج بالا وضاحت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قوله: ” ثم اعلم أنهم قد يطلقون اسم العلة على غير ما ذكرنا۔۔۔“ إلى آخره۔ مراده بذلك أن ما حققه من تعريف المعلول، قد يقع فى كلامهم ما يخالفه، وطريق التوفيق بين ما حققه المصنف وبين ما يقع فى كلامهم أن اسم العلة إذا أطلق على حديث لا يلزم منه أن يسمى الحديث معلولا اصطلاحا۔ إذ المعلول ما علته قادحة خفية والعلة أعم من أن تكون قادحة او غير قادحة خفية أو واضحة ۔ ولهذا قال الحاكم:”وإنما يعل الحديث من أوجه ليس فيها للجرح مدخل“۔ وأما قوله:”وسمى الترمذى النسخ علة“ هو من تتمة هذا التنبيه، وذلك أن مراد الترمذى أن الحديث المنسوخ مع صحته إسنادا ومتنا طرأ عليه ما أوجب عدم العمل به وهو الناسخ، ولا يلزم من ذلك أن يسمى المنسوخ معلولا اصطلاحا كما قررته ۔ والله أعلم“[2]

”(امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے) جو یہ کہا کہ: ”پھر جان لو کہ بعض اہل علم لفظ علت کا

---

[1] یہ اطلاق امام أبو یعلی الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۶) کا ہے۔ دیکھئے: الإرشاد فی معرفة علماء الحديث للخليلى (۱/۳۷۸)

[2] النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (۲/۷۷۱)

اطلاق ہماری ذکر کردہ بات سے ہٹ کر بھی کرتے ہیں۔۔۔۔الخ‘‘۔اس سے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے معلول کی جو تعریف کی ہے تو کبھی کبھی اہل علم کے کلام میں اس کے خلاف بھی استعمال ملتا ہے۔اوران کی تعریف اوراہل علم کے اس استعمال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ لفظ علت کا استعمال جب کسی حدیث کے لئے ہوتو ضروی نہیں ہے کہ اس سے اصطلاحی معنی میں معلول مراد ہو۔کیونکہ اصطلاحی معنی میں معلول اسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں علت قادحہ موجود ہو۔ اورلفظ علت عام ہے یہ قادحہ بھی ہوسکتی ہےاور غیر قادحہ بھی ہوسکتی ہے، مخفی بھی ہوسکتی ہےاور واضح بھی ہوسکتی ہے۔اوراسی وجہ سے امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ:’’حدیث کو معلول ایسی وجوہات کی بنا پر کہا جاتا ہے جس میں (رجال پر) جرح کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔‘‘

اور (امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے) جو یہ کہا کہ’’امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے منسوخ ہونے کو بھی علل حدیث میں سے ایک علت قرار دیا ہے۔‘‘تو یہ بھی امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی اسی وضاحت کا حصہ ہے۔کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ منسوخ حدیث سند ومتن کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ایسی چیز آجاتی ہے جواس پر عمل نہ کرنے کو واجب قرار دیتی ہےاوروہ ناسخ ہے۔اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ منسوخ کو اصطلاحی معنی میں معلول کہا جائے۔جیسا کہ میں نے واضح کیا۔ واللہ اعلم۔‘‘

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی وضاحت اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تشریح سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ اصطلاحی معنی میں ہر معلول حدیث ضعیف ومردود ہی ہوتی ہے جیسے شرعی اصطلاح میں ہر بدعت گمراہی ومردود ہوتی ہے۔

اور بعض اہل علم نے کبھی کبھار جو صحیح حدیث کے لئے علت کا لفظ استعمال کیا ہے تو یہ

اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے جس طرح بعض اہل علم نے سنت کے لئے بدعت کا استعمال کیا مثلاً عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز کو "**نعم البدعة هذه**" کہا۔ تو یہ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے۔

غرض یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے ہم نے جس معلول کی بات کی ہے وہ اصطلاحی معلول ہے۔ اور اصطلاحی طور پر ہر معلول روایت ضعیف ہی ہوتی ہے۔ اس پر معلول کا اطلاق ہی اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اندر علت قادحہ ہو۔

اب اگر زبیر علی زئی صاحب اصطلاحی معنی میں بھی معلول کی دو قسمیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر معلول روایت ضعیف نہیں ہوتی ہے (یعنی بعض معلول روایت صحیح بھی ہوتی ہے) تو موصوف ایک ہی وقت میں دن اور رات دونوں کے وجود کا دعوی کرتے ہیں کیونکہ کسی روایت کو اصطلاحی طور پر معلول کہنا اور اسے صحیح بھی قرار دینا اجتماع ضدین ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"،"حديث صحيح شاذ" كقولنا "حديث صحيح ضعيف" كقولنا ليل نهار فى آن واحد، ضدان لا يجتمعان متحرك ساكن، ضدان لا يجتمعان لكن ما الذى يقال؟ يقال فى حديث ما، هذا الحديث صحيح الإسناد، ضعيف المتن، انظر نفكك المعارضة السابقة بعضها عن بعض صحيح الإسناد ضعيف المتن، ما معنى صحيح الإسناد ضعيف المتن؟ توفرت شروط الصحة فى السند، من حيث الظاهر، و لكن قام دليل على خطأ المتن، حينئذ إذا أردنا أن نلخص الكلمة السابقة، صحيح الإسناد ضعيف المتن، لا نقول حديث صحيح شاذ، نقول حديث شاذ، ونعنى حديث ضعيف، لأنه من شروط الحديث

الـصحيح كما يقول العلماء : ”مـا رواه عدل ضابط عن مثله عن مثلـه إلـى منتهاه و لـم يشذ ولـم يعل“ ، فإذا قيل حديث شاذ كما إذا قيـل حـديـث مـعـلـول، فـإذا قيـل حديث معلول كما لو قيل حـديـث ضـعيف، وإذا قيـل حـديـث شـاذ كـما إذا قيل حديث ضـعيف، أمـا الـجـمـع صـحيـح شـاذ، أيضـا صحيح معلول لا يجتمعان نقيضان لا يجتمعان“[1]

”’’یہ حدیث صحیح شاذ ہے‘‘ یہ کہنا بالکل اسی طرح ہے جیسے ہم کہیں ’’یہ حدیث صحیح ضعیف ہے‘‘ یا یہ کہیں کہ ’’ایک ہی وقت میں دن اور رات ہے‘‘ یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ایک چیز متحرک ہے اور ساکن بھی ہے یہ دو متضاد باتیں ہیں جو ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔لیکن صحیح تعبیر کیا ہوسکتی ہے؟

(جی ہاں) کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ’’صحیح الاسناد ہے اور ضعیف المتن‘‘ ہے۔غور کریں یہ کہہ کر ہم نے وہ تعارض ختم کر دیا ہے جو پہلی صورت میں باہم تھا۔لہٰذا ہم کہتے ہیں ’’صحیح الاسناد، ضعیف المتن‘‘ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سند میں بظاہر صحت کے شروط پائے جاتے ہیں۔لیکن متن کے غلط ہونے پر دلیل موجود ہے۔

دریں صورت ہم اس جملہ کو مختصراً یوں نہیں کہیں گے کہ ’’یہ حدیث صحیح شاذ ہے‘‘ بلکہ اس طرح کہیں گے کہ ’’یہ حدیث شاذ ہے‘‘۔اور ہماری مراد ہوگی یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث کے شروط بقول اہل علم یہ ہیں: ’’جسے عادل ضابط نے اپنے جیسے سے متصلا روایت کیا ہو اور وہ شاذ و معلول نہ ہو‘‘۔لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ یہ حدیث شاذ ہے اسی طرح حدیث کو معلول کہنے کا بھی معاملہ ہے چناں چہ جب کہا جائے کہ

[1] سلسلة الهدى والنور ، مفرغ كاملا (٩/٤ ٩)

''یہ حدیث معلول ہے'' تو یہ اس طرح کہنے کے برابر ہے کہ ''یہ حدیث ضعیف'' ہے۔
اسی طرح جب کہا جائے کہ ''یہ حدیث شاذ'' ہے تو یہ اس طرح کہنے کے برابر ہے کہ ''یہ حدیث ضعیف'' ہے۔
رہا ایک ساتھ اس طرح کہنا ''یہ حدیث صحیح شاذ ہے'' یا ''یہ حدیث صحیح معلول ہے'' تو یہ دونوں باتیں ایک ساتھ اکٹھا نہیں ہوسکتیں، دونوں متضاد چیزیں ایک ساتھ قطعاً جمع نہیں ہوسکتیں۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ کی اس زبردست علمی وضاحت کے بعد کوئی احمق ہی ہوگا جو ایک ہی حدیث کو ''معلول'' بھی کہے اور اسے ''صحیح'' بھی قرار دے۔

زبیر علی زئی صاحب امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ تحت غلط سلط، مہمل ولایعنی اور غیر متعلق تفصیلات پیش کر کے آخر میں اتہام تراشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ امام بخاری نے یزید والی حدیث کو ''موضوع، ومن گھڑت یا مردود'' ہرگز قرار نہیں دیا، لہٰذا سنابلی صاحب نے امام بخاری پر جھوٹ بولا ہے''[1]

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے متعلق گذشتہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے اور تاریخی اعتبار سے اسے حقائق کے خلاف یعنی باطل ومن گھڑت ثابت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف اس موقف کی نسبت کو جھوٹ قرار دینا بجائے خود جھوٹ اور ہٹ دھرمی ہے۔

دکتور بسام بن عبداللہ الغانم العطاوی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''الأحـاديث التی أعلها الإمام البخاری متونها بالتناقض'' (وہ احادیث جنہیں ان کے متون کے متناقض ہونے کے سبب امام بخاری نے معلول قرار دیا ہے)

اس کتاب کی پانچوں قسم کو مؤلف نے یہ عنوان دیا ہے۔

---

[1] مقالات (۳۹۸/۶)

"الأحاديث التی اعلها البخاری بمناقضة متونها الواقع"[1]

''وہ احادیث جنہیں ان کے متون کے خلافِ واقعہ ہونے کے سبب امام بخاری نے معلول قرار دیا ہے''

اس عنوان کے تحت مؤلف نے سب سے پہلے اسی یزید والی حدیث ہی کو پیش کیا ہے۔ اب کیا دکتور بسام نے بھی امام بخاری پر جھوٹ بولا ہے؟

امام بخاری پر زبیر علی زئی صاحب کا رد کیوں؟

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ناچیز نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف غلط بات منسوب کر کے جھوٹ بولا تھا تو زبیر علی زئی صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ پر رد کیوں کر دیا؟ ان کی بات کو بے دلیل کیوں کہہ ڈالا؟ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کا وہ مقصود ہے ہی نہیں جو ہم بتلا رہے ہے کہ تو پھر آں جناب اس بات پر کیوں مجبور ہیں کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی تغلیط کریں اور ان کی بات کو بے سند و بے دلیل قرار دیں؟

اگر آپ کی نظر میں ناچیز نے امام بخاری رحمہ اللہ کا نام لے کر جھوٹ بولا تھا تو آپ کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا مجھے جھوٹا کہہ دیتے؟ لیکن مجھے جھوٹا کہنے کے ساتھ ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ کو غلط کیوں کہنے لگے؟

صاف ظاہر ہے کہ زبیر علی زئی صاحب کو بھی بخوبی معلوم ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ان کی پیش کردہ روایت کے مکذوب و من گھڑت ہونے پر زبردست دلیل ہے اس لئے آں جناب ناچیز پر جھوٹ کی تہمت لگانے کے باوجود بھی اس بات پر مجبور ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بات کو غلط قرار دیں!!!

---

[1] الأحاديث التی أعلها الإمام البخاری متونها بالتناقض (ص٦٧)

دوسرا حوالہ

امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف

دوسرا حوالہ ہم نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا اور زبیر علی زئی صاحب نے اپنی جوابی تحریر میں اسی حوالہ سے شروعات کی ہے۔ [1]

لکھتے ہیں:

''عرض ہے کہ امام ابن عدی نے ہماری مذکورہ روایت (عبدالوهاب الثقفي نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد حدثني أبو لعالية حدثني أبو مسلم قال: غزا يزيد بن أبي سفيان) والی روایت بیان ہی نہیں کی بلکہ ''هوذة بن خليفة عن أبي خلدة عن أبي العالية عن أبي ذر'' والی روایت بیان کی ہے اور بعد میں یہ فرمایا: اور بعض مفسر روایتوں میں یزید کا اضافہ ہے (الکامل ۴/ ۹۷ دوسرا نسخہ ۳/ ۱۰۲۴، تیسرا نسخہ ۵/ ۱۱-۱۲ ح ۲۰۲۳)'' [2]

آں جناب کے پیش نظر نہ تو ہمارے الفاظ کا سیاق وسباق ہے، نہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کا منہج ہے، نہ ہی امام ابن عدی رحمہ اللہ کے منہج سے ہمارا سببِ استدلال ہے۔ آں موصوف بس عبدالوھاب والی سند سے چپکے ہوئے ہیں۔

جہاں تک ہمارے الفاظ کے سیاق وسباق کی بات ہے تو ہم نے اس روایت پر بحث کرنے سے قبل اسے تمام طرق والفاظ کے ساتھ ایک ہی روایت مانا ہے چناں چہ ہم نے تخریج میں واضح لفظوں میں لکھا تھا:

"تاريخ دمشق لابن عساكر:۔٦٥/٢٤٩۔٢٥٠ ، واخرجه ايضا ابو يعلى كما فى إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة :۔ ٨/٨٥رقم:٧٥٣٥، و المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية:۔

---

[1] مقالات (٦/٣٨٨)

[2] مقالات (٦/٣٨٩)

۲۷۸/۱۸ رقم:٤٤٦٣ من طریق عبدالوهاب به نحوه ، **واخرجه غیرواحد من طریق عوف منقطعا بین ابی العالیه وابی ذر**"

''یہ حدیث تاریخ دمشق لابن عساکر (۲۴۹/۶۵۔۲۵۰) میں ہے۔اوراسے امام ابویعلی نے بھی۔جیسا کہ''إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة''(۸۵/۸رقم:۷۵۳۵) اور'' المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية''(۲۷۸/۱۸ رقم:۴۴۶۳)میں ہے۔ عبدالوہاب کی سند سے تقریبا انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے **اورکئی ایک نے اسے عوف کی سند سے ابوالعالیہ اورابوذر کے بیچ انقطاع کے ساتھ روایت کیا ہے**''[1]

اخیر کے خط کشیدہ الفاظ دیکھیں ہم نے کہا تھا کہ''**اورکئی ایک نے اسے عوف کی سند سے ابوالعالیہ اورابوذر کے بیچ انقطاع کے ساتھ روایت کیا ہے**''

اسی انقطاع والی ایک روایت کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔جیسا کہ زبیرعلی زئی صاحب کو اعتراف ہے۔اورہم نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی طرف سے ضعفاء میں اصلا جس روایت کے نقل کیے جانے کی بات کہی تھی اس سے ہماری مراد یہی روایت ہے۔جیسا کہ ہمارے الفاظ کے سیاق سے بالکل ظاہر ہے۔

رہی عبدالوہاب والی روایت تو اسے بھی ہم نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں منکر بتلایا ہے،لیکن اسے ثابت کرنے کے لئے ہم نے یہ دعوی ہرگزنہیں کیا تھا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس پوری روایت کو عبدالوہاب ہی کے طریق سے مکمل سند ومکمل متن کے ساتھ الکامل میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کے ساتھ یزید والے جو اضافی الفاظ بھی ذکر کردئے ہیں اس سے ہم نے یہ استدلال کیا تھا چنانچہ ہم نے لکھا تھا:

''واضح رہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ضعفاء میں اس روایت کو نقل کرکے یہ بھی فرمایا:**وفی بعض الأخبار مفسرا زاد، يقال له:يزيد.**

---

[1] دیکھئے:رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا:یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے:(ص:۳)۔
نیز دیکھئے: یزیدبن معاویہ پرالزامات کاتحقیقی جائزہ:(ص۹۱)

یعنی بعض روایات میں رجل کی اس وضاحت کے ساتھ اضافہ ہے کہ اس آدمی کو یزید کہا جائے گا۔[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ٤/ ٩٧]۔
عرض ہے کہ یہ اضافہ زیر بحث روایت ہی میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے سامنے ہر طرح کی روایات تھیں اس کے باوجود بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر روایات میں شمار کیا ہے جیسا کہ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے دیکھئے:[الذخیرة فی الأحادیث الضعیفة والموضوعة: ١/ ٥٤٠]۔''[1]

ہمارے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ہمارا مقصود فقط یہ ہے کہ یزید والی روایت کے الفاظ کو بھی مختصراً ذکر کر کے مذکورہ روایت کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے منکر روایات میں شمار کیا ہے۔لہٰذا یزید والی روایت بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں منکر ہی ہے،اب اس کی سند عبدالوہاب والی ہو یا کوئی بھی ہو، بہر صورت یہ روایت امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں منکر شمار ہوگی کیونکہ انہوں نے منکر روایات کے ضمن میں ان الفاظ کو ذکر کر دیا ہے۔

اور ہمارا یہ استدلال اس کتاب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کے منہج سے ہے، چونکہ یزید والی حدیث کے الفاظ بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ نے مختصراً ذکر کر دئے ہیں لہٰذا ان الفاظ والی روایت امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں منکر شمار ہوگی خواہ وہ کسی بھی سند سے ہو۔کیونکہ اس کتاب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کا منہج ہی یہی ہے کہ وہ منکر احادیث ہی ذکر کرتے ہیں،اس کی مفصل وضاحت آگے آرہی ہے۔

آگے زبیر علی زئی صاحب کی تدلیس وتلبیس کی انتہا دیکھئے بڑی بے شرمی سے لکھتے ہیں:
''حافظ ابن عدی نے اس روایت کو ہرگز منکر نہیں کہا اور نہ منکر روایات میں ذکر کیا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ (دروغ گورا حافظہ نہ باشد کے اصول کی رو سے) خود سنابلی نے ابن القیسرانی یعنی محمد بن طاہر المقدسی سے نقل کیا ہے کہ ''امام ابن عدی نے اس پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور ابوالعالیہ کے تذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے گویا کہ آپ نے اسے منکر

[1] دیکھئے: رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے: (ص:۴)۔
نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ : (ص۹۲)

مان کر ذکر کیا ہے'' (سنابلی تحریر ص۴) یہ تحریر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابن عدی نے اس روایت کو منکر قرار نہیں دیا''[1]

حضرت! دروغ گوئی تو آپ کر رہے ہیں کیونکہ استنکارِ ابن عدی رحمہ اللہ سے ہماری مراد کا جو مفہوم آپ بتلا رہے ہیں کہ وہ خالص کذب وافتراء پر مبنی ہے۔ آپ کے بقول ابن عدی رحمہ اللہ کے استنکار کا حوالہ دے کر گویا ہم نے یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے جس مقام پر یہ روایت ذکر کی ہے وہیں پر کلام کرتے ہوئے اسے ''منکر'' کہا ہے! اس بہتان تراشی کے بعد آپ نے ہماری طرف سے نقل کردہ ابن القسیر انی رحمہ اللہ کا قول پیش کیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہاں پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا۔ پھر ان دونوں باتوں کو باہم متضاد بتا کر ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد'' کی پھبتی کسی ہے۔

حضرت! سچائی تو یہ ہے کہ آپ نے آئینہ دیکھا ہے۔ کیونکہ ہماری مراد کی بابت کذب بیانی کر کے چند سطروں بعد ہی آپ نے ہماری مراد کی دوسری تشریح پیش کی ہے اور کہا:

''اگر سنابلی صاحب کہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ راوی کے ترجمے میں ضرور بالضرور اس کی منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں۔۔۔ الخ''[2]

لیکن بدقسمتی سے یہ تشریح بھی ''ضرور بالضرور'' کی تلبیس سے آلودہ ہے۔

قارئین! یہ نہ سمجھئے گا کہ ہماری طرف سے استنکارِ ابن عدی کا حوالہ کوئی معمہ ہے جو نا قابل فہم ہے۔ زبیر علی زئی صاحب بھی ہمارا مقصود اچھی طرح سمجھتے ہیں، جیسا کہ دوسری تشریح کے بین السطور میں ان کا اعتراف جھلک رہا ہے جسے فن رجال کا ذوق رکھنے والے بآسانی محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن آں جناب اظہارِ حقیقت سے قاصر ہیں کیونکہ ان کے پاس اس کے جواب کی سکت نہیں ہے۔

''الکامل'' کا منہج : منکر روایات کا ذکر

آیئے ہم خود ہی پوری وضاحت کر دیتے ہیں کہ ہماری مراد کیا ہے۔ دراصل امام ابن عدی رحمہ اللہ

---

1. مقالات (۳۸۹/۶)
2. مقالات (۳۸۹/۶)

کی جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس کتاب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ عمومی منہج اپنایا ہے کہ وہ اس میں ''منکر'' روایات ذکر کریں گے۔اور جب کتاب کے مؤلف کا منہج ہی یہی ہو کہ وہ اس میں ''منکر'' روایات ذکر کریں گے۔تو کتاب کے اندر مذکور کسی روایت پر مؤلف ''منکر'' کا حکم لگائیں یا نہ لگائیں وہ روایت مؤلف کی نظر میں ''منکر'' ہی شمار ہوگی۔

کتاب کے عمومی منہج سے متعلق بطور مثال ''صحیح ابن خزیمہ'' کو لے لیں۔اس میں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہ عمومی منہج اپنایا ہے کہ وہ ''صحیح'' احادیث ذکر کریں گے۔اب کتاب کے اندر کوئی حدیث مذکور ہو تو وہاں اس حدیث پر الگ سے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ ''صحیح'' کا حکم لگائیں یا نہ لگائیں وہ حدیث ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی نظر میں ''صحیح'' ہی شمار ہوگی اور کوئی بھی شخص صحیح ابن خزیمہ سے وہ حدیث نقل کر کے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی طرف اس کی تصحیح کو منسوب کر سکتا ہے۔چناں چہ خود زبیر علی زئی صاحب کی کتابوں میں ایسی مثالوں کے انبار ہیں جن میں موصوف نے صحیح ابن خزیمہ سے کسی حدیث کا حوالہ دیے کر امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی طرف اس کی تصحیح منسوب کی ہے جبکہ اصل کتاب کے اندر جہاں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے وہ حدیث ذکر کی ہے وہاں انہوں نے ''صحیح'' کا حکم نہیں لگایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کتاب کے عمومی منہج کے اعتبار سے کچھ ایسا ہی معاملہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی کتاب ''الکامل'' کا ہے۔اس کتاب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ عمومی منہج اپنایا ہے کہ وہ اس میں ''منکر'' احادیث ذکر کریں گے۔اب اس کتاب کے اندر کوئی حدیث مذکور تو وہاں اس حدیث پر الگ سے امام ابن عدی رحمہ اللہ ''منکر'' کا حکم لگائیں یا نہ لگائیں وہ حدیث امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں ''منکر'' ہی شمار ہوگی اور کوئی بھی شخص ان کی کتاب سے وہ حدیث نقل کر کے ان کی طرف اس حدیث کے ''استنکار'' کی نسبت کر سکتا ہے۔

اب آیئے اس بات کے دلائل ملاحظہ فرمالیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں منکر احادیث ذکر کرنے کا منہج اپنایا ہے:

''الکامل'' کے منہج پر خود مؤلف کتاب امام ابن عدی کی صراحت

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں خود اپنا منہج بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذاكر لكل رجل منهم مما رواه ما يضعف من أجله، أو يلحقه بروايته(و) له اسم الضعف"[1]

''اور میں ان میں سے ہر شخص کی وہ روایات ذکر کروں گا جن کی وجہ سے اسے ضعیف کہا گیا ہے یا جن کی وجہ سے وہ ضعیف قرار پاتا ہے''

❁ اسی طرح کتاب کے اندر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کئی رواۃ سے متعلق کہا ہے کہ مجھے ان کی کوئی منکر روایت نہیں ملی کہ اس کا تذکرہ کروں، مثلاً ''مهلب بن أبي حبيبة'' کا ذکر کر کے ان کی کوئی روایت نہیں ذکر کی ہے اور اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:

"لم أر له حديثا منكرا فأذكره"[2]

''میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی کہ اس کا تذکرہ کروں۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ کی مقدمہ میں اور کتاب کے اندر متعدد مقامات پر اس طرح کی صراحت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ہر راوی کے ترجمے میں اس کی منکر روایات ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

''الکامل'' کے منہج پر دیگر اہل فن کی تصریحات

دیگر اہلِ فن نے بھی امام ابن عدی کا یہی طرزِ عمل بتلایا ہے:

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"ويروي في الترجمة حديثا أو أحاديث مما استنكر للرجل"[3]

---

[1] الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى (۱/ ۷۹) بعض نسخوں میں ''له'' سے قبل حرف ''و'' نہیں ہے ہماری نظر میں سیاق کے لحاظ سے یہی درست معلوم ہوتا ہے، ترجمہ ہم نے اسی کے مطابق کیا ہے۔

[2] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (۸/ ۲۲۸)

[3] سير أعلام النبلاء للذهبي (۱۶/ ۱۵۵- ۱۵۶)

''امام ابن عدی راوی کے ترجمہ میں اس کی منکر احادیث میں سے ایک یا کئی احادیث ذکر کرتے ہیں۔''

❁ تاج الدین سبکی (المتوفی:۷۷۱ھ) نے کہا:

"وذكر في كل ترجمة حديثا فأكثر من غرائب ذاك الرجل ومناكيره"[1]

''امام ابن عدی ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی غریب ومنکر احادیث میں ایک یا اس سے زائد کا تذکرہ کرتے ہیں۔''

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲ھ) نے کہا:

"ومن عادته فيه أن يخرج الأحاديث التي أنكرت علىٰ الثقة أو علىٰ غير الثقة"[2]

''اس کتاب میں امام ابن عدی کی عادت یہ ہے کہ وہ ثقہ یا غیر ثقہ کی منکر احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ فن کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ عمومی طور پر راوی کے ترجمہ میں منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں، اس لیے اگر انہوں نے کسی راوی کے ترجمہ میں کوئی روایت ذکر کی، خواہ وہ وہاں پر صراحت کے ساتھ اسے ''منکر'' کہیں یا نہ کہیں، بہرصورت ان کے عمومی طرزِ عمل سے ان کے نزدیک اس روایت کو منکر ہی سمجھا جائے گا، الا یہ کہ خود امام ابن عدی رحمہ اللہ ہی کسی خاص روایت کے بارے میں صحت کا فیصلہ دے دیں یا اس کی طرف اشارہ کردیں۔ اور زیرِ بحث یزید والی حدیث کے بعض الفاظ کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ذکر کردیا ہے لہٰذا ان الفاظ کے ساتھ یزید والی حدیث امام ابن عدی رحمہ اللہ کے نزدیک ''منکر'' ہے۔ خواہ وہ کسی بھی سند سے مروی ہو۔

---

[1] طبقات الشافعية الكبرى (۳/ ۳۱۶)

[2] مقدمة فتح الباري لابن حجر (ص: ۴۲۹)

اس طرز کے حوالہ پر محدثین کا عمل

قارئین! ہم نے ''الکامل'' میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کے منہج کی وضاحت ماقبل میں امام ابن عدی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی میں کردی ہے۔

اب آیئے اس طرز کے حوالوں پر ہم محدثین کا عمل بھی پیش کردیں تاکہ واضح ہوجائے کہ اس طرح کا حوالہ دینے میں ہم کوئی اکیلے نہیں ہیں بلکہ یہ چیز محدثین کے عمل سے بھی ثابت ہے، چند حوالے ملاحظہ ہوں:

❀ (۱) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''صدقہ بن عبداللہ'' کے طریق سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:''في كل عشرة أزق زق'' (شہد میں ہر دس مشک پر ایک مشک زکاۃ ہے۔)[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ''صدقہ بن عبداللہ'' کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس مقام پر اسے منکر کہا ہے۔لیکن ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۴) فرماتے ہیں:

''وقد ذكره ابن عدي في مناكيره''[2]

''(امام) ابن عدی نے اس حدیث کو اس (صدقۃ بن عبداللہ) کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے''

اب کیا زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق ابن عبدالہادی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے؟

❀ (۲) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''ہشام بن سعد'' کے طریق سے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے: ''لا طلاق قبل نكاح'' (یعنی نکاح سے قبل کوئی طلاق نہیں

---

1. الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (۱۱٦/٥)
2. تنقيح التحقيق لابن عبد الهادي (٦٢/٣)

ہے۔)[1]

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ''ہشام بن سعد'' کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے[2] اور نہ ہی اس مقام پر اسے منکر کہا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

''وقد ذکر ابن عدی ھذا الحدیث فی مناکیرہ''[3]

''ابن عدی نے اس حدیث کو اس (ہشام بن سعد) کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے''

اب کیا زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے؟

❁ (۳) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''ابن أبی فروۃ'' یعنی ''إسحاق بن عبداللہ بن أبی فروۃ'' کے طریق سے عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے: ''**الصبحۃ تمنع الرزق**'' (یعنی صبح کے وقت سونا رزق سے محروم کر دیتا ہے۔)[4]

یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس پر کلام تو کیا ہے لیکن اس مقام پر اسے صراحتاً منکر نہیں کہا ہے۔ پھر بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

''وعد ابن عدی ھذا الحدیث من مناکیرہ''[5]

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (۸/ ۴۱۰)

[2] البتہ اسی حدیث کو آگے دوسرے الفاظ اور دوسری سند سے ذکر کرنے کے بعد صرف یہ کہا ہے: ''ھذا یرویہ ھشام بن سعد بھذا الإسناد وبعضھم یوصلہ'' (اسے ہشام بن سعد اس سند سے روایت کرتے ہیں اور بعض رواۃ اسے موصول بیان کرتے ہیں'' دیکھئے: الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (۸/ ۴۱۰) ۔لیکن زبیر علی زئی صاحب اس جیسے کلام کو استنکار پر محمول نہیں کرتے جیسا کہ موصوف نے آگے اپنی پیش کردہ پہلی مثال کے تحت کہا ''ابن عدی نے کچھ کلام کیا لیکن اسے منکر قرار نہیں دیا'' دیکھئے: یہی تحریر (ص ۶۵)

[3] فتح الباری لابن حجر (۹/ ۳۸۳)

[4] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (۱/ ۵۳۱)

[5] القول المسدد فی الذب عن المسند للإمام أحمد :ص(۶۲)

''امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس (''ابن أبی فروۃ'') کی منکر روایات میں شمار کیا ہے''

اب کیا زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے؟

❀ (۴) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العبسی'' کی سند سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کی مرفوع حدیث نقل کی ہے۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی بیس رکعات والی مرفوع حدیث ذکر کرنے کے بعد امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس مقام پر اسے منکر کہا ہے۔لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل میں اس حدیث کو اس شخص کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کے الفاظ مع ترجمہ خود زبیر علی زئی صاحب اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عینی حنفی فرماتے ہیں:''کذبه شعبه وضعفه أحمدوابن معين والبخاری والنسائی وغيرهم وأوردله ابن عدی هذاالحديث فی الكامل فی مناكيره''

اسے (ابراہیم بن عثمان کو) شعبہ نے کاذب (جھوٹا) کہا ہے اور احمد، ابن معین، بخاری اور نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل میں اس حدیث کو اس شخص کی منکر روایات میں ذکر کیا ہے۔(عمدۃ القاری ۱/ ۱۲۸)''[2]

اب کیا زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے؟ اور اسے نقل کر کے موصوف نے بھی اس جھوٹ میں حصہ لیا؟

---

[1] الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (۱/ ۳۹۱)

[2] قیام رمضان (ص ۲۸،۲۹) از زبیر علی زئی۔

صاف ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر وعلامہ عینی وغیرہما امام ابن عدی رحمہ اللہ کی کتاب کے منہج سے استدلال کرتے ہوئے ایسا لکھ رہے ہیں۔اوراسی بات کے پیش نظر امام ابن طاہر القیسرانی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی طرف اس حدیث کے استنکار کی نسبت کی ہے گرچہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو کتاب میں جہاں ذکر کیا ہے وہاں اسے منکر نہیں کہا ہے۔لیکن زبیر علی زئی صاحب ان سارے حقائق سے آنکھیں بند کرکے فرماتے ہیں:

''رہا ابن طاہر کا ظن وتخمین (کأن، گویا) تو بے سند و بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے''[1]

حضرت! امام ابن طاہر القیسرانی رحمہ اللہ کی بات بے سند یا بے دلیل نہیں بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی طرز عمل سے استدلال ہے جو بالکل درست ہے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے فرماتے ہیں:

''اگر سنابلی صاحب کہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ راوی کے ترجمے میں ضرور بالضرور اس کی منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک یہ اصول صحیح نہیں بلکہ تفصیل طلب ہے:''[2]

قلم کی عیاری دیکھئے! جناب کے سامنے ہمارا مدعا بالکل واضح ہے لیکن اعتراف حقیقت کے بجائے ''ضرور بالضرور'' کا شوشہ چھوڑ رہے ہیں۔حضرت! ہم نے ''ضرور بالضرور'' کا دعوی ہرگز نہیں کیا ہے، استثنائی صورتوں کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔بلکہ علم وفن کا کوئی اصول وقاعدہ کلیہ نہیں ہوتا۔''لكل قاعدة شواذ'' کے تحت ہر اصول میں استثنائی صورتیں ہوتی ہیں، لیکن استثنائی صورتوں کو بنیاد بنا کر بغیر کسی خاص دلیل کے دیگر مقامات پر اصول وقواعد کی تطبیق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہم نے اپنا مدعا ومقصود ماقبل میں واضح کر دیا ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں راوی کی ''منکر'' روایات ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔جیسا کہ خود ابن عدی رحمہ اللہ نیز دیگر محدثین کی تصریحات پیش کی جاچکی ہیں۔

---

1. مقالات (٦/٣٨٩)
2. مقالات (٦/٣٨٩)

اس اصول کے تحت امام ابن عدی رحمہ اللہ کی اس کتاب کے اندر کوئی حدیث مذکور ہو تو وہاں اس حدیث پر الگ سے امام ابن عدی رحمہ اللہ ''منکر'' کا حکم لگائیں یا نہ لگائیں وہ حدیث امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں ''منکر'' ہی شمار ہوگی اور کوئی بھی شخص ان کی کتاب سے وہ حدیث نقل کر کے ان کی طرف اس حدیث کے ''استنکار'' کی نسبت کر سکتا ہے۔

اس اصول سے صرف انہیں روایات کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں خود امام ابن عدی رحمہ اللہ کتاب کے اندر صحت کا فیصلہ کر دیں یا اس کی طرف اشارہ کر دیں۔

جیسا کہ اس طرح کے عمومی اصول کے حوالے سے ہم نے ماقبل میں صحیح ابن خزیمہ کی مثال پیش کی ہے کہ اس کتاب میں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا اصول ہے کہ وہ ''صحیح'' احادیث ذکر کرتے ہیں۔ اب کتاب کے اندر کوئی حدیث مذکور تو وہاں اس حدیث پر الگ سے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ ''صحیح'' کا حکم لگائیں یا نہ لگائیں وہ حدیث ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی نظر میں ''صحیح'' ہی شمار ہوگی۔

اس اصول سے صرف انہیں روایات کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں خود امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کتاب کے اندر کوئی علیحدہ فیصلہ کر دیں۔

زبیر علی زئی صاحب اپنی تحریروں میں رواۃ کی توثیق وغیرہ کے ضمن میں ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تصحیح کا حوالہ بار بار دیتے ہیں۔ اب کیا ان کے ان حوالوں کو جھوٹ قرار دے کر زبیر علی زئی صاحب ہی کی منطق میں یہ کہنا درست ہوگا:

> ''اگر زبیر علی زئی صاحب کہیں کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اپنی کتاب میں ضرور بالضرور صحیح احادیث ہی ذکر کرتے ہیں، یا ثقہ رواۃ ہی سے حدیث نقل کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک یہ اصول صحیح نہیں بلکہ تفصیل طلب ہے:''

پھر یہ کہہ کر بطور مثال ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی کتاب سے پانچ دس احادیث پیش کر کے ان کا مردود ہونا اور ان کے بعض رواۃ کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے! وہ بھی ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تحقیق میں نہیں بلکہ اپنی تحقیق میں!!!

ہمیں یقین ہے کہ اس طرح کی بات کہی جائے تو زبیر علی زئی صاحب اسی طرح کا جواب دیں گے جس طرح کا جواب ہم امام ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالے پر دے رہے ہیں۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالے سے متعلق ہمارے مقصود کی من مانی تشریح کرنے کے بعد زبیر علی زئی صاحب اس تغلیط کی تفصیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''١: اگر راوی ثقہ وصدوق ہے تو ضروری نہیں ہے کہ ہر مذکورہ روایت حافظ ابن عدی کے نزدیک ضرور بالضرور منکر ہی ہے۔

٢: اگر راوی ضعیف ومتروک ہے تو اس کی ہر منفرد روایت مردود ہے، چاہے کامل ابن عدی میں مذکور ہو یا کسی دوسری کتاب میں مذکور ہو۔

فقرہ نمبر ایک کی توضیح کے لئے پانچ مثالیں پیش خدمت ہیں'' [1]

فقرہ نمبر٢ کا تو امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، کیونکہ یہاں بحث کسی روایت کے فی نفسہ ضعیف یا صحیح ہونے سے نہیں ہے بلکہ بحث امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف سے متعلق ہے۔

رہی بات فقرہ نمبر١ کی تو ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ''ضرور بالضرور'' کے ہم دعوے دار ہی نہیں، استثنائی صورت کے ہم بھی قائل ہیں لیکن اس کے لئے خاص دلیل درکار ہے جیسا کہ ماقبل میں پوری وضاحت ہم نے پیش کردی ہے۔ رہی جناب کی پیش کردہ پانچ مثالیں تو عرض ہے کہ:

اولا:

ان مثالوں کا آپ کے فقرہ نمبر(١) سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ فقرہ نمبر(١) میں آپ نے حافظ ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف پر بات کی ہے اور ان مثالوں میں آپ نے حافظ ابن عدی رحمہ اللہ کا نہیں بلکہ اپنا موقف پیش کیا ہے۔

حضرت! عقل استعمال کریں دعوی کر رہے ہیں **''حافظ ابن عدی کے نزدیک''** کا اور تحقیق **''اپنے گھر کی''** پیش کررہے ہیں!

---

[1] مقالات (٦/٣٨٩-٣٩٠)

بطور الزام عرض ہے کہ آپ نے اپنی بہت ساری تحریروں میں بلکہ اپنی اسی تحریر میں متعدد مقامات پر صحیح ابن خزیمہ کے حوالے سے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی طرف ایسی احادیث کی تصحیح منسوب کی ہے جن احادیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کتاب کے اندر صحیح نہیں کہا ہے تو کیا ان سارے حوالوں کو آپ کے اکاذیب شمار کر کے صحیح ابن خزیمہ سے پانچ احادیث پیش کر کے ان کا مردود ہونا اور ان کے بعض رواۃ کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے؟ وہ بھی ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تحقیق سے نہیں بلکہ اپنی تحقیق سے؟؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیا:

اگر حافظ ابن عدی رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ میں ان کی اسی کتاب میں ان پانچوں احادیث یا ان میں سے بعض کی تصحیح یا اس کی طرف اشارہ مل جائے [1] تو اس خاص دلیل کی بنیاد پر یہ احادیث امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی اصول سے مستثنیٰ قرار پائیں گی۔ لیکن اس بنا پر امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی اصول اور دیگر احادیث پر اس کی تطبیق کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کا معاملہ ہے کہ اس کتاب میں منقول بعض احادیث کی صحت کو خود امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے محل نظر بتلایا ہے۔ اس خاص دلیل کی بنا پر یہ احادیث امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی عمومی تصحیح سے مستثنیٰ قرار دی جائیں گی، لیکن اسے بنیاد بنا کر امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی عمومی تصحیح اور دیگر روایات پر اس کے انطباق کا انکار نہیں کیا جائے گا۔

چوں کہ یزید والی حدیث کے لئے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ میں خاص تصحیح یا اس کی طرف اشارہ موجود نہیں ہے اس لئے ان کے عمومی اصول کے تحت ان کی نظر میں یہ حدیث ''منکر'' ہی شمار ہوگی۔

اب آیئے زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ پانچ مثالوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں:

---

[1] جیسا کہ فلیح بن سلیمان کی احادیث کا معاملہ جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

مثال نمبر(۱) پر تبصرہ:

اس مثال میں موصوف نے ''حدیث مزود'' پیش کی ہے۔اور امام ابن عدی رحمہ اللہ کے الفاظ میں اس کی تصحیح نہ پیش کرتے ہوئے اپنی تحقیق پیش کی ہے اور بطور تائید امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحسین اور امام ابن حبان رحمہ اللہ کی عمومی تصحیح کا حوالہ دیا ہے۔لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور ابن عدی نے کچھ کلام کیا لیکن اسے منکر قرار نہیں دیا ہے۔اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا:''حسن غریب''(سنن الترمذی: ۳۸۳۹) حافظ ابن حبان نے اسے صحیح ابن حبان میں درج کیا یعنی صحیح قرار دیا ہے۔''(دیکھئے الاحسان: ۶۴۹۸)''[1]

اولا:- یہ حدیث **''آپ کے نزدیک''** حسن ہے۔اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ کی نظر میں حسن اور امام ابن حبان رحمہ اللہ کی نظر میں صحیح ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ **''حافظ ابن عدی کے نزدیک''** بھی یہ صحیح یا حسن ہے؟؟

بالخصوص جبکہ انہوں نے اس پر کلام بھی کیا ہے جیسا کہ خود آپ نے اعتراف کیا ہے رہا صراحتا ان کا ''منکر'' کا لفظ استعمال نہ کرنا تو ماقبل میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس کتاب میں ان کا اصول ہے کہ وہ منکر روایات کا تذکرہ کرتے ہیں،اس لئے کتاب کے اندر اس صراحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں کہا:

"وهذا حديث المزود لا يرويه، عن أبي العالية غير المهاجر أبو مخلد"[2]

''یہ حدیث مزود ہے اسے ابوالعالیہ سے ''المہاجر أبو مخلد'' کے لئے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا''

اور ''مہاجر أبو مخلد'' کے ترجمہ میں امام عدی رحمہ اللہ نے نقل کیا:

"كان وهيب يعيب المهاجر يقول لا يحفظ"[3]

''(امام) وہیب (بن خالد الباہلی المتوفی ۱۵۶ رحمہ اللہ) ''مہاجر (أبو مخلد)'' پر جرح

---

[1] مقالات (۳۹۰/۶)

[2] الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى (٩٩/٤)

[3] الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى (٢٢٠/٨) واسناده صحيح

کرتے تھے اور کہتے: ''یہ یادنہیں رکھ پاتے تھے''

اس جرح سے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے پورے ترجمہ میں کہیں اپنا اختلاف پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کے برعکس ''المہاجرأبومخلد'' کے حق میں کوئی توثیق نقل نہیں کی ہے بلکہ اس جرح کے بعد سب سے پہلے اسی ''حدیث المزود'' کی سند پیش کرکے مختصراً اس کا متن ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد اس کی کچھ اور روایات پیش کرکے کہا:

''والمهاجر أبو مخلد إنما عرف بهذه الأحاديث التى ذكرتها وليس له غيرها إلا الشيء اليسير ''[1]

''مہاجرأبومخلد صرف انہیں احادیث کے ذریعہ جانا گیا ہے جنہیں میں نے پیش کیا ہے ان کے علاوہ اس کے پاس احادیث نہیں ہیں سوائے تھوڑی مقدار کے''

ملاحظہ فرمایئے امام ابن عدی رحمہ اللہ اس پر جرح نقل کرکے اس کی چند روایات ذکر کرکے اسے قلیل الحدیث بتلا رہے ہیں اور اس کا کوئی دفاع نہیں کررہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں ''مہاجر'' مجروح اور غیر مؤثق ہے [2]۔ اس لئے امام ابن عدی رحمہ اللہ جب کہہ رہے ہیں کہ حدیث المزود کو ''مہاجر'' کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس مجروح کی روایات کو منکر شمار کرتے ہیں۔

ثانیا:- اگر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں اسے صحیح کہا بھی ہوتا تو خاص دلیل کی بنیاد پر اسے مستثنی کیا جاتا لیکن یزید والی حدیث کے استثناء لئے کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے۔

---

[1] الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى (٨/٢٢١)

[2] امام ابوحاتم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷) نے بھی کہا: ''لين الحديث، ليس بذاك، وليس بالمتين، شيخ يكتب حديثه'' [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ت المعلمی ۸/۲۶۲] ''نیز معاصرین میں بھی کئی محققین ہیں جو ''مہاجر بن مخلد'' کو سرے سے ضعیف ہی مانتے ہیں۔ مثلاً دکتور بسام بن عبداللہ العطاری زیر بحث حدیثِ یزید ہی کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**وهذا الاسناد ضعيف لضعف مهاجر بن مخلد**'' (یہ سند ضعیف ہے مہاجر بن مخلد (أبی مخلد) کے ضعف کے سبب) دیکھیں: الأحاديث التى أعل الامام البخارى متونها بالتناقض :ص ٢٣١۔

مثال نمبر(۲) پر تبصرہ:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

مثال نمبر۲:"ابوالعالیہ نے رسول اللہ ﷺ سے مرسلا بیان کیا کہ "كان يفطر على التمر" آپ چھوہاروں پر روزہ افطار کرتے تھے۔ (الکامل ۴/ ۹۷) یہ روایت گرچہ مرسل ہے لیکن صحیح بخاری (۹۵۳) اور سنن الترمذی (۵۴۳) وغیرہما میں اس کے صحیح شواہد ہیں لہٰذا یہ بھی منکر نہیں بلکہ صحیح ہے۔"[1]

اولا: — یہ حدیث **"آپ کے نزدیک"** صحیح ہے۔ تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ **"حافظ ابن عدی کے نزدیک"** بھی یہ صحیح ہے؟؟

واضح رہے کہ یہ حدیث صحیح ہرگز نہیں ہے اس حدیث میں عام افطار کی بات ہے اور عام افطار سے روزہ افطار کرنا ہی مراد ہوتا ہے جیسا کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی روزہ افطار کرنے سے ترجمہ کیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری و سنن ترمذی کے محولہ نمبرات کے تحت موجود احادیث کے الفاظ ہی الگ ہیں، ان میں روزہ افطار کرنے کی بات نہیں بلکہ عید سے قبل کچھ کھا پی کر عیدگاہ جانے کی بات ہے، بخاری و ترمذی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵٦) نے کہا:

"حدثنا محمد بن عبد الرحيم، حدثنا سعيد بن سليمان، قال: حدثنا هشيم، قال: أخبرنا عبيد الله بن أبي بكر بن أنس، عن أنس بن مالك، قال: كان رسول الله ﷺ **لا يغدو يوم الفطر** حتى يأكل تمرات"[2]

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ **عیدالفطر کے دن نہ نکلتے** جب تک کہ آپ ﷺ چند کھجوریں نہ کھا لیتے"

---

[1] مقالات (۳۹۰/٦)

[2] صحيح البخاري، رقم (۹۵۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۹۷) نے کہا:

"حدثنا قتيبة، قال: حدثنا هشيم، عن محمد بن إسحاق، عن حفص بن عبيد الله بن أنس، عن أنس بن مالك، أن النبي ﷺ كان يفطر على تمرات **يوم الفطر قبل أن يخرج إلى المصلى**"[1]

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ **عید الفطر کے دن نماز کے لیے نکلنے سے پہلے** چند کھجوریں کھا لیتے تھے۔"

ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری و سنن ترمذی کی احادیث میں عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل کھانے پینے کی بات ہے پھر ان کا ابن عدی رحمہ اللہ کی روایت سے کیا تعلق ہے جس میں روزہ افطار کرنے کی بات ہے؟؟؟

معلوم ہوا کہ ابن عدی رحمہ اللہ کی روایت کا کوئی صحیح شاہد نہیں ہے بلکہ ابن عدی رحمہ اللہ کی روایت تو روزہ افطار کرنے والی صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

کیونکہ صحیح حدیث میں "رطب" (تازہ کھجور) سے روزہ افطار کرنے کا ذکر ہے اور "رطب" (تازہ کھجور) نہ ملنے کی صورت میں "تمر" (خشک کھجور) سے روزہ افطار کی بات ہے اور "تمر" (خشک کھجور) نہ ملنے کی صورت میں پانی سے روزہ افطار کرنے کی بات ہے[2]۔

جبکہ ابن عدی رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت میں "تمر" (خشک کھجور) سے روزہ افطار کرنے کی بات ہے۔ اور اس بات کا ذکر ہی نہیں کہ اس کا اختیار "رطب" نہ ملنے کی صورت میں ہوتا تھا۔

ثانیا:- اگر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں اسے صحیح کہا بھی ہوتا تو خاص دلیل کی بنیاد پر اسے مستثنی کیا جاتا لیکن یزید والی حدیث کے استثناء لئے کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے۔

---

[1] سنن الترمذی ت بشار، رقم (۵۴۳)

[2] سنن ابی داؤد (۲۳۵۶) واسنادہ صحیح

لطیفہ:

قارئین حیران ہوں گے کہ جب یہ روایت باعتراف زبیر علی زئی ''مرسل'' ہے تو زبیر علی زئی صاحب نے مثال میں اسے کیوں منتخب کیا؟ وہ ''الکامل'' جیسی ضخیم و جحیم کتاب سے دوسری روایات بھی تو لے سکتے تھے!!!

آیئے اس راز کا پردہ بھی فاش کر دیتے ہیں۔ دراصل ''حدیث یزید'' جسے ہم امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں منکر بتلا رہے ہیں اسے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے مختصراً ''ابوالعالیہ'' کے ترجمہ میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے ترجمہ میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کل آٹھ (۸) مرفوع احادیث پیش کی ہیں۔

چونکہ ہم نے یہ کہہ دیا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ منکر ہے اس لئے زبیر علی زئی صاحب نے بھرپور کوشش کی کہ یہاں پر (''ابولعالیہ'' کے ترجمہ میں) ابن عدی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ احادیث ہی کو صحیح ثابت کر کے مذکورہ مثالوں میں پیش کریں تا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف کی غلط ترجمانی ہونے کے ساتھ ساتھ بین السطور میں قارئین کو یہ پیغام بھی مل جائے کہ ''ابوالعالیہ'' کے ترجمہ میں بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ احادیث بشمول حدیث یزید، منکر نہیں ہیں۔

لیکن یہ جان کر قارئین کو زبیر علی زئی صاحب پر ترس آئے گا کہ موصوف نے مطالعہ کی پوری جمع پو نجی صرف کرنے اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی ان آٹھ (۸) احادیث میں سے صرف اور صرف دو احادیث کو صحیح ثابت کرنے کی ہمت جٹا پائی ہے۔ اور ان میں سے بھی ایک کے بارے میں دبی زبان سے ''مرسل'' ہونے کا دردناک اعتراف کیا ہے۔ پھر ''صحیح شواہد'' کے نام پر غیر متعلق احادیث کا حوالہ دے کر سادہ لوح قارئین کو بہلانے کی کوشش کی ہے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ ساری کدو کاوش امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف دکھلانے میں نہیں بلکہ ''اپنی ذاتی تحقیق'' پیش کرنے میں صرف کی گئی ہے۔

مثال نمبر (۳،۴) پر تبصرہ:

زبیرعلی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مثال نمبر۳: ''فلیح بن سلیمان (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) نے سعید بن الحارث کی سند سے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے تکبیر والی ایک روایت بیان کی ہے الخ۔ (الکامل ۷/۱۴۴ پرانا نسخہ ۶/۲۰۵۶) یہ روایت منکر نہیں بلکہ معمولی اختلاف اور فلیح کی سند سے ہی صحیح بخاری (۸۲۵) میں موجود ہے۔''[1]

زبیرعلی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مثال نمبر۴: ''فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبدالرحمان عن انس بن مالک کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ جب زوال ہوتا تھا تو نبی ﷺ نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ (الکامل لابن عدی ۷/۱۴۴) یہ روایت اسی سند و متن کے ساتھ صحیح بخاری (۹۰۴) میں موجود ہے۔''[2]

عرض ہے کہ ان دونوں روایات کی صحت کی طرف خود امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اشارہ کر دیا ہے، اور ہم ماقبل میں وضاحت کر چکے ہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی اصول سے ان روایات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا جن کے بارے میں خود امام ابن عدی رحمہ اللہ کتاب کے اندر صحت کا فیصلہ کر دیں یا اس کی طرف اشارہ کر دیں۔ چناں چہ ان دونوں روایات کی صحت کی طرف اشارہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کر دیا ہے دلائل ملاحظہ ہو:

(الف) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ان کے راوی ''فلیح بن سلیمان'' پر جرح نقل کر کے آخر میں اس کے خلاف اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا:

''وھو عندی لا بأس به''[3]

''میرے نزدیک یہ ''لا بأس بہ'' ہے۔''

اور اس کے ترجمہ میں ابن عدی رحمہ اللہ نے دو ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کی سند میں فلیح سے قبل یا بعد کے طبقات میں بھی کوئی علت نہیں ہے اور نہ ہی ابن عدی نے کسی دیگر علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[1] مقالات (۶/۳۹۰)۔ [2] مقالات (۶/۳۹۱)

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (۷/۱۴۴)

﷽ (ب) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''فلیح بن سلیمان'' کی دونوں روایات ذکر کرنے کے بعد اخیر میں اس کی روایات پر حکم لگاتے ہوئے کہا:

''ولفليح أحاديث صالحة''[1]

''اور فلیح کی صالح (یعنی حسن وصحیح) احادیث ہیں۔''

اس حکم میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فلیح کی ذکر کردہ دونوں احادیث کو مستثنی نہیں کیا ہے جبکہ ان کی عادت ہے کہ وہ جب کسی راوی کی منکر روایات ذکر کرنے کے بعد اس کی دیگر روایات پر حسن یا صحت کا حکم لگاتے ہیں تو اس کی ذکر کردہ احادیث کو مستثنی کرتے ہیں۔

مثلاً ''ابوالعالیہ'' کے ترجمہ میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے حدیث یزید (مختصرا) سمیت آٹھ روایات ذکر کیا ہے اور آخر میں ابوالعایہ کی دیگر احادیث پر ''صالحہ'' (حسن وصحیح) کا حکم لگایا تو ما قبل میں اس کی مذکورا حادیث کو مستثنی کرتے ہوئے کہا:

''ولأبي العالية الرياحي أحاديث صالحة غير ما ذكرت''[2]

''اور ابوالعالیہ الریاحی کی صالح (حسن وصحیح) احادیث ہیں، سوائے ان احادیث کے جنہیں میں نے ذکر کیا ہے''

لیکن ''فلیح بن سلیمان'' کی احادیث کو ''صالحہ'' کہتے وقت امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کے ترجمہ میں اس کی ذکر کردہ دونوں احادیث کو مستثنی نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں ''فلیح بن سلیمان'' کی بقیہ احادیث کی طرح اس کی ذکر کردہ دونوں احادیث بھی صحیح ہیں۔

﷽ (ج) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ دونوں روایات ذکر کرنے کے بعد یہ بھی کہا ہے:

''ويروى عن سائر الشيوخ من أهل المدينة مثل أبي النضر وغيره أحاديث مستقيمة وغرائب''[3]

''اور یہ (فلیح بن سلیمان) اہل مدینہ کے تمام شیوخ مثلاً ابوالنضر وغیرہ سے مستقیم

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (١٤٤/٧) [2] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (١٠٥/٤)

[3] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (١٤٤/٧)

(درست یعنی حسن وصحیح) اور منفرد احادیث روایت کرتے ہیں''

اوران دونوں احادیث کو بھی فلیح بن سلیمان نے مدینہ ہی کے شیوخ سے نقل کیا ہے۔ پہلی حدیث کو کتب ستہ کے ثقہ راوی ''سعید بن الحارث الانصاری المدنی'' سے روایت کی ہے جو کہ مدینہ کے قاضی تھے [1]۔ دوسری حدیث کو بخاری کے راوی ''عثمان بن عبدالرحمٰن بن عثمان، التیمی، المدنی۔'' سے روایت کی ہے یہ بھی مدنی ہی ہیں۔ [2]

لہذا جب امام ابن عدی رحمہ اللہ مدینہ کے شیوخ سے اس کی روایات کو مستقیم (یعنی حسن وصحیح) بتارہے ہیں تو اس کی یہ دونوں روایات بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں حسن وصحیح ہیں۔ کیونکہ اس نے انہیں مدینہ ہی کے شیوخ سے نقل کیا ہے۔

❁ (د) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ دونوں روایات ذکر کرنے کے بعد ''فلیح بن سلیمان'' کے بارے میں یہ بھی کہا:

''وقد اعتمده البخاری فی صحیحه'' [3]

''اورامام بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے''

اوراس کی یہ دونوں روایات صحیح بخاری میں اسی سند ومتن کے ساتھ موجود ہیں [4]۔ البتہ پہلی روایت میں بخاری کے الفاظ میں معمولی اختلاف ہے۔

اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتماد کی مثال میں ان دونوں روایات کو پیش کیا ہے۔

یہ سارے دلائل اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہاں پر ان دونوں روایات کو منکر روایات میں شمار نہیں کیا ہے۔ لہذا ان خاص دلائل کے پیش نظر ان دونوں احادیث کو امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی اصول سے مستثنی قرار دیا جائے گا۔

---

[1] سیر أعلام النبلاء ط الرسالة (٥/١٦٤) [2] تقریب لابن حجر رقم (٤٤٩٢)

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی (٧/١٤٤)

[4] صحیح بخاری رقم (٨٢٥) ورقم (٩٠٤)

مثال نمبر (۵) پر تبصرہ:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مثال نمبر ۵: عبداللہ بن معبد الزمانی عن ابی قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عاشوراء کا روزہ سابقہ سال کا کفارہ ہے اور عرفات کا روزہ گذشتہ اور اس کے بعد والے موجودہ سال کا کفارہ ہے۔ (الکامل لابن عدی ۵/۲۷۳، دوسرا نسخہ ۴/۱۵۳۹-۱۵۴۰) اس حدیث کو امام ابن عدی نے منکر قرار نہیں دیا ہے لیکن امام بخاری سے نقل کیا: ''**عبد الله بن سعيد الزماني الأنصاري عن أبي قتادة لا يعرف له سماع من أبي قتادة**'' یہ جرح ''**لا نعرف سماعه من ابی قتاده**'' کے الفاظ سے التاریخ الکبیر للبخاری (۵/۱۹۸ ت ۶۲۲) اور ''**ولا يعرف سماعه من أبي قتاده**'' کے الفاظ سے الضعفاء الکبیر للعقیلی (۲/۳۰۵) میں موجود ہے۔ (نیز دیکھئے التاریخ الکبیر ۳/۶۸ ت ۲۴۰)

عبداللہ بن معبد کی امام ابن عدی والی حدیث صحیح مسلم (۱۱۶۲ [۲۷۴۶-۲۷۴۷]) سنن ترمذی (۷۴۹ وقال: حدیث حسن) صحیح ابن خزیمہ (۲۰۸۷) صحیح ابی عوانہ (۲/ ۱۶۸ ح ۲۳۴۸) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۶۲۲-۳۶۲۳ [۳۶۳۱-۳۶۳۲] التمہید (۲۱/۱۶۲، وقال ابن عبدالبر: وھذا اسناد حسن صحیح وھو یعتضد ماتقدم) شرح السنہ للبغوی (۶/۳۴۴ ح ۱۷۹۰، وقال ھذا حدیث صحیح أخرجہ مسلم ۔۔۔) المستخرج علی صحیح مسلم لأبی نعیم (۳/۲۰۲ ح ۲۵۴۵) معجم الشیوخ لابن عساکر (۲/۷۴۷ ح ۹۳۱ وقال: ''حدیث حسن صحیح غریب'') اور البدر المنیر لابن الملقن (۵/۷۵۰ وقال: ھذا الحدیث صحیح) میں موجود ہے۔

''مسلم، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، ابن حبان، بغوی اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ وغیرہم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اس روایت پر معلول، منکر، منقطع اور لایعرف سماعہ وغیرہ کی سب جروح جمہور کے مقابلے میں مردود ہیں۔''[1]

اولاً:- یہ حدیث آپ کی نظر میں صحیح ہے اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ حدیث امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں بھی صحیح ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کی ہے اور کوئی اختلاف نہیں کیا ہے اور امام بخاری نے ابوقتادہ سے عبداللہ بن معبد کے سماع کا انکار کیا ہے جس کا واضح مفاد یہ

[1] مقالات (۶/۳۹۱)

ہے کہ یہ روایت امام بخاری کی تحقیق میں ضعیف ہے [1]۔ لہٰذا امام ابن عدی بھی امام بخاری کے مؤید ہیں۔

[1] بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں حدیث کی صحت کے لئے جو یہ شرط ہے کہ سلسلہ سند میں ہر راوی کا دوسرے راوی سے کبھی نہ کبھی سماع ثابت ہو۔ تو یہ شرط کمال صحت کے لئے نہ کہ نفس صحت کے لئے۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف اوران کی احادیث پر گہری نظر رکھنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) فرماتے ہیں:

" ادعى بعضهم أن البخاري إنما التزم ذلك في جامعه لا في أصل الصحة، وأخطأ في هذه الدعوى، بل هذا شرط في أصل الصحة عند البخاري ، فقد أكثر من تعليل الأحاديث في تاريخه بمجرد ذلك "

"بعض نے یہ دعوی کیا ہے کہ امام بخاری نے یہ التزام اپنی جامع (صحیح بخاری) میں کیا ہے نہ کہ نفس صحت کے لئے، لیکن یہ دعوی غلط ہے بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) یہ شرط امام بخاری کے نزدیک اصل صحت کے لئے کیونکہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں محض اسی وجہ سے بہت ساری احادیث کو معلول قرار دیا ہے۔" [النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (۲/۵۹۵)]

امام سخاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۰۲) فرماتے ہیں:

"وممن صرح باشتراط ثبوت اللقاء علي بن المديني، والبخاري، وجعلاه شرطا في أصل الصحة، وإن زعم بعضهم أن البخاري إنما التزم ذلك في جامعه فقط"

"اور جن لوگوں نے لقاء کے ثبوت کی صراحت کی ہے وہ علی بن المدینی اور امام بخاری ہیں انہوں نے اصل صحت کے لئے اسے شرط قرار دیا ہے گرچہ بعض لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ امام بخاری نے اس کا التزام صرف اپنی جامع میں کیا ہے" [فتح المغيث بشرح ألفية الحديث (۱/۲۰۵)]

علامہ معلمی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۸۶) فرماتے ہیں:

"وزعم بعض علماء العصر أن اشتراط البخاري العلم باللقاء إنما هو لما يخرجه في (صحيحه) لا للصحة في الجملة، كذا قال، وفي كلام البخاري على الأحاديث في عدة من كتبه ك (جزء القراءة) وغيره ما يدفع هذا"

"بعض علماء عصر نے یہ گمان کیا ہے کہ امام بخاری کی طرف سے لقاء کے علم کی شرط صرف ان احادیث کے لئے جنہیں وہ اپنی "صحیح" میں روایت کرتے ہیں نہ کہ ہر حدیث کی صحت کے لئے، جب کہ امام بخاری کا احادیث پر جو کلام ان کی متعدد کتب مثلاً "جزء القراءۃ" وغیرہ میں ہے وہ اس کی تردید کرتا ہے۔" [التنكيل (۱/۲۷۰)] ←

جہاں تک ہماری بات ہے تو ہم بغیر کسی تردد کے اس روایت کو صحیح مانتے ہیں کیونکہ دیگر محدثین نے یہاں پر سماع کا اثبات کیا ہے نیز اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے۔جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ کے ضمن میں تفصیل پیش کردی گئی ہے [1]۔لیکن یہاں بات ہماری یا آپ کی تحقیق کی نہیں ہورہی ہے بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف کی ہورہی ہے۔

ثانیا:-اگر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں اسے صحیح کہا بھی ہوتا تو خاص دلیل کی بنیاد پر اسے مستثنیٰ کیا جاتا لیکن یزید والی حدیث کے استثناء لئے کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے۔

قارئین! یہ تھیں وہ پانچ مثالیں جنہیں پیش کرکے زبیر علی زئی صاحب نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے منہج کی غلط ترجمانی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔اب آگے ان کی مسخرہ پنی دیکھئے لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب ایسے منہج پر گامزن ہیں، جس سے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے اور ہم ایسے ہر منہج اور طرز عمل سے بری ہیں جس سے صحیحین پر حملہ ہوتا ہے'' [2]

جوشخص قلیل االتدلیس مدلس کے عنعنہ کو بھی قادح سمجھتا ہے۔وہ اپنے گریبان میں جھانک کر بتائے کہ صحیحین میں ایسے مدلسین کی معنعن روایات کا کیا بنے گا؟

رہا حضرت کا یہ قاعدہ بتلانا کہ صحیحین میں مدلس کی معنعن روایات سماع پر محمول ہوتی ہیں تو جناب والا! یہ قاعدہ کثیر التدلیس مدلسین کی معنعن روایات سے متعلق ہے۔رہی قلیل التدلیس مدلس کی معنعن روایات تو صحیحین میں ان سے احتجاج اس بنا پر ہے کیونکہ وہ محدثین کے یہاں مقبول ہوتی ہیں۔دکتور عواد الخلف نے صحیحین کے مدلسین پر دو کتابیں لکھی ہیں دونوں میں انہوں نے صرف کثیر التدلیس مدلسین کے عنعنہ ہی کا جواب دیا ہے۔ [3]

بنابریں سوچ لیں کہ احادیثِ صحیحین کی تضعیف والا منہج کس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے؟

← علاوہ بریں خود امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی کئی احادیث کو صراحت کے ساتھ غیر صحیح قرار دیا ہے۔دیکھئے: موقف الامامین البخاری ومسلم للدکتور الدریس (ص ۱۳۷ تا ٤٤١) نیز دیکھئے: شرط العلم بالسماع فی الاسناد المعنعن (ص ۳۵ تا ۳۸)۔

[1] دیکھئے: یہی تحریر (ص ۳۶)۔ [2] مقالات (۳۹۲/۶)

[3] روایات المدلسین فی صحیح البخاری، روایات المدلسین فی صحیح مسلم۔

اور ہم نے تو کوئی منہجی اصول کی بات ہی نہیں کی ہے بلکہ حدیثِ یزید پر امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک جرح نقل کی ہے۔ نیز جس حدیثِ یزید پر امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح نقل کی ہے وہ ابن عساکر وغیرہ کی روایت ہے۔ یہ حدیث نہ تو صحیح بخاری میں ہے نہ ہی صحیح مسلم میں ہے بلکہ پوری کتب ستہ میں اس کا کوئی وجود نہیں حتی کہ معروف ومشہور اور متداول کتب احادیث میں بھی اس کا نام ونشان نہیں ہے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح بھی ایسی نقل کی ہے جس سے روئے زمین کے کسی محدث نے اختلاف نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی فیصلہ دیا ہے۔ بلکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے قبول ومنظور فرمایا ہے۔

اب اس طرزِ عمل سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کی ہر نقد وجرح کو لازم القبول بتلا رہے ہیں خواہ وہ صحیح مسلم کی حدیث پر ہو اور اس جرح کے خلاف دیگر محدثین کے فیصلے بھی موجود ہوں؟ نیز گذشتہ سطور میں ہم آپ کا اعتراف دکھا چکے ہیں کہ یہ ایک چالاکی ہے بس۔ [1]

آگے ''چور مچائے شور'' کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

''یہ پانچ مثالیں اس لئے بیان کی ہیں کہ سنابلی صاحب کا پروپیگنڈا غلط وباطل ہے'' [2]

غلط وباطل پروپیگنڈے ہی کی خاطر آپ نے یہ پانچ مثالیں پیش کیں اور آخر میں یہ بدبودار کردار مجھ غریب کے سر ڈال دیا۔ واہ!

قارئین گذشتہ سطور پڑھنے کے بعد خود فیصلہ کیجئے کہ یہ ''چور مچائے شور'' والی بات ہوئی یا نہیں!

زیادتِ ثقہ پر بحث

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے لکھا ہے: ''وفي بعض الأخبار مفسرا، زاد: يقال له يزيد''
عرض ہے کہ اس سے روایت کا معلول یا ضعیف ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض روایات مختصر ہوتی ہیں اور بعض مفسر اور یہ مقرر ہے مفسر مختصر پر مقدم ہوتا ہے، نیز ''زاد'' زیادت بیان کی، اضافہ بیان کیا، سے بھی کسی روایت کا ضرور بالضرور معلول ومنکر ہونا لازم نہیں آتا'' [3]

حضرت! اسے آپ کی کج فہمی کہا جائے! یا بوکھلاہٹ! یا دھاندلی بازی!

[1] دیکھئے یہی تحریر (ص ۴۱)۔ [2] مقالات (۳۹۲/۶)۔ [3] مقالات (۳۹۲/۶)

ہماری پوری تحریر سے ایک حرف ایسا دکھایئے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہو کہ ہم نے ابن عدی رحمہ اللہ کے الفاظ " مفسرا" یا "زاد" پر زیادتِ ثقہ کی بحث چھیڑی ہے!

ہمارے خلاف آپ نے جو بھی تحریر لکھی ہے سب میں یہ عجوبہ نگاری کی ہے کہ اپنی طرف ایک چیز گڑھ کر ہماری طرف منسوب کر دیا اور پھر اس کی تردید کرنے بیٹھ گئے۔

زیادتِ ثقہ کی بحث ہم نے حدیثِ یزید کی سند میں "ابومسلم" کے اضافہ پر کی ہے اور بتلایا ہے کہ قرائن کہ روشنی میں سند میں "ابومسلم" کا اضافہ مردود ہے۔ [1]

بہرحال جب آپ نے بے موقع ومحل یہاں پر زیادتِ ثقہ کی بحث چھیڑ دی ہے تو ہم بھی نفس مسئلہ کی وضاحت پیش کئے دیتے ہیں۔

زیادتِ ثقہ سے متعلق زبیر علی زئی صاحب کا متروک ومردود اصول

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"بلکہ زیادت کی دو قسمیں ہوتی ہیں:
ا: ثقہ وصدوق عندالجمہور کی زیادت
یہ اگر اوثق کے سو فیصد مخالف نہ ہو (کہ تطبیق ممکن نہ رہے) تو مقبول ہوتی ہے۔
۲: ضعیف ومجروح عندالجمہور کی زیادت
یہ مردود ہوتی ہے۔
"وزاد" سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ مذکورہ روایت منکر ومعلول یا ضعیف ہے۔" [2]

آخری سطر میں موصوف نے جو کہا ہے اس بارے میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ابن عدی رحمہ اللہ کے کلام میں مستعمل "زاد" پر ہم نے زیادتِ ثقہ کی بحث نہیں چھیڑی ہے بلکہ حدیثِ یزید کی سند میں "ابومسلم" کے اضافہ پر زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی بات کہی ہے۔ [3]

رہا زیادت سے متعلق موصوف کا پیش کردہ اصول تو عرض ہے کہ ضعیف ومجروح کی زیادت

---

[1] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۳۴ تا ۱۷۴)
[2] مقالات (۳۹۲/۶)
[3] مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے: دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۳۴ تا ۱۷۴)

سرے سے موضوع بحث ہی نہیں ہے بلکہ بحث تو صرف ثقہ کی زیادت سے ہے اور اس سلسلے میں ہم نے الگ سے زیادتِ ثقہ والے مضمون [1] میں محدثین سے یہ اصول ثابت کیا ہے کہ محدثین کے نزدیک زیادتِ ثقہ کے قبول ورد کا فیصلہ قرائن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ چناں چہ اُس وقت زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے جب قرائن اس کے حق میں ہوں، اور جہاں پر رد کے قرائن ہوں وہاں زیادتِ ثقہ رد کردی جاتی ہے۔

لیکن محدثین کے اس منہج کے سرتاسر خلاف زبیر علی زئی صاحب زیادتِ ثقہ سے متعلق یہ متروک اور مردود اصول اپنائے ہوئے ہیں کہ اگر ثقہ وصدوق عندالجمھور کی زیادت، اوثق کے سو فیصد مخالف نہ ہو تو یہ محض اس لئے علی الاطلاق مقبول ہوگی کیونکہ اسے ثقہ وصدوق عندالجمھور نے بیان کیا ہے۔ اپنے اس متروک اور مردود علیہ اصول کو ثابت کرنے کے لئے زبیر علی زئی صاحب نے تین مثالیں پیش کی ہیں ذیل میں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

زیادتِ ثقہ کی مقبولیت پر زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ مثالیں

زبیر علی زئی صاحب نے تین مثالیں پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ثقہ وصدوق عندالجمھور کی زیادت، اوثق کے سو فی صد مخالف نہ ہو تو یہ محض اس لئے علی الاطلاق مقبول ہوگی کیونکہ اسے ثقہ وصدوق عندالجمھور نے بیان کیا ہے۔

ذیل میں ہم ان مثالوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ یہ مثالیں کیا واقعی ان کے موقف پر دلالت کرتی ہیں؟

❁ زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے پر موصوف کی پیش کردہ پہلی مثال:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”مثال نمبر ۱: امام ابن عدی نے امام محمد بن یوسف فربری اور امام زکریا الساجی دونوں سے روایت بیان کی کہ ہم نے عبداللہ بن احمد بن شبویہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے قتیبہ (بن

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۰۸ تا ۲۴۹)

سعید) کوفرماتے ہوئے سنا: اگر احمد نہ ہوتے تو وہ (لوگ) دین میں (غلط عقائد) داخل کر دیتے۔" زادالفربری: "امام فربری نے ابن شبویہ سے یہ زیادت بیان کی کہ میں نے قتیبہ سے کہا: کیا آپ احمد بن حنبل کو تابعین کے ساتھ ملاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تابعین میں سے بھی بہتر لوگوں کے ساتھ ملاتا ہوں۔ (الکامل لابن عدی ۱/ ۲۱۱-۲۱۲، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۲۸) اصول حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ روایت مذکورہ میں "زاد الفربری" سے مذکورہ اضافہ ضعیف ثابت نہیں ہوتا بلکہ امام فربری کے ثقہ ہونے کی وجہ سے یہ اضافہ بھی صحیح ہے۔"[1]

سب سے پہلے تو ہم آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتے ہیں کہ اس مثال میں آپ نے کوئی مرفوع یا موقوف حدیث پیش کرنے کے بجائے امام احمد رحمہ اللہ کی تعریف میں مروی ایک امام کا قول نقل کر دیا! جبکہ "اصول حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے" کہ زیادتِ ثقہ پر بحث کی جاتی ہے تو مرفوع یا موقوف احادیث کے حوالے دئے جاتے ہیں۔

اور سونے پر سہاگہ کہ مثال بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ کی کتاب "الکامل" ہی سے نکال کر رکھ دی ہے۔ گویا قارئین کو یہ تأثر دینا چاہا ہے کہ "الکامل" میں منقول روایات منکر نہیں ہوتی ہے۔

اس مضحکہ خیز خوش فہمی پر سر پیٹنے کو دل چاہتا ہے کیونکہ "اصول حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے" امام ابن عدی رحمہ اللہ منکر روایات کسی راوی کی تعریف وتوصیف میں نہیں بلکہ راوی کے ترجمہ میں راوی سے مروی روایات کی فہرست میں پیش کرتے ہیں۔

اور آں جناب نے بطور مثال جو قول پیش کیا ہے اسے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تعریف وتوصیف میں نقل کیا ہے وہ بھی کتاب میں مقدمہ میں۔

بہر حال جب آں جناب نے یہ قول پیش کر ہی دیا ہے تو آیئے اسے ہی اصول حدیث کے معیار پر پرکھ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں امام فربری رحمہ اللہ کی بیان کردہ زیادت کس پوزیشن میں ہے۔ سب سے پہلے "الکامل" سے پوری روایت ملاحظہ ہو:

"أخبرنا محمد بن یوسف الفربری، وزکریا الساجی قالا: سمعنا عبد الله بن أحمد بن شبویه یقول: سمعت قتیبة یقول: لولا أحمد

[1] مقالات (۶/ ۳۹۲)

بن حنبل لأدخلوا فی الدین ۔زاد الفربری: قلت لقتیبة:تضم أحمد بن حنبل إلی التابعین؟ فقال:إلی خیار التابعین“

”امام زکریا الساجی اور امام محمد بن یوسف الفربری فرماتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن احمد بن شبویہ کو کہتے ہوئے سنا: میں نے قتیبہ (بن سعید) کو فرماتے ہوئے سنا: ”اگر (امام) احمد نہ ہوتے تو لوگ دین میں (نئی چیزیں) داخل کردیتے۔“ (امام) فربری نے (ابن شبویہ کے حوالے سے) مزید بیان کیا کہ: میں نے قتیبہ سے کہا: کیا آپ احمد بن حنبل کو تابعین کے ساتھ ملاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ”بزرگ تابعین کے ساتھ۔“[1]

تبصرہ کرنے سے پہلے ایک بار پھر یاد دلا دیں کہ ہم نے زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق رد کرنے کی بات ہرگز نہیں کہی ہے بلکہ قرائن کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی بات کہی ہے۔اب دیکھتے ہیں اس مثال میں زیادتِ ثقہ سے متعلق قرائن کیا ہیں:

❁ **اولا:-** اس مثال میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) کی مدح میں امام قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰) کا ایک قول دو ثقہ رواۃ (امام ساجی وامام فربری) نے نقل کیا ہے اور امام فربری رحمہ اللہ نے اس قول کے بعد امام قتیبہ اور ان کے شاگرد کے بیچ ہونے والے مکالمہ کو بھی نقل کردیا ہے۔جس میں امام قتیبہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی مزید تعریف کی اور انہیں بزرگ تابعین کے ساتھ ملایا۔یہ سیاق صاف بتلاتا ہے کہ معاملہ صرف اختصار اور تفصیل کا ہے اور تفصیل والا حصہ اختصار والے حصہ کے قطعا منافی نہیں ہے۔اور جہاں اس طرح کا معاملہ ہو وہاں ثقہ راوی کی تفصیل مقبول ہوتی ہے۔[2]

لیکن ہم نے حدیثِ یزید کی سند میں جس اضافہ کو رد کیا ہے وہ اضافہ دیگر رواۃ کے بیان کے سرتاسر منافی ہے کیونکہ دیگر رواۃ کے بیان کے مطابق حدیث منقطع ٹھہرتی ہے اور اضافہ والے بیان سے حدیث متصل قرار پاتی۔انقطاع اور اتصال یہ دونوں ایک دوسرے کے بالکل منافی ہیں لہٰذا ان دونوں میں سے کوئی ایک بیان ہی مقبول ہوسکتا ہے اور قرائن کی روشنی میں انقطاع والا بیان

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی(۱/۲۱۱)

[2] دیکھئے: قرائن الترجیح فی المحفوظ والشاذ (ص۴۷۸)

ہی معتبر ہے جس کی تفصیل ہم تیسری تحریر میں پیش کر چکے ہیں۔

❁ **ثانیا:-** امام قتیبہ رحمہ اللہ کے قول میں اضافہ بیان کرنے والے امام محمد بن یوسف فربری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۰) ہیں۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''صحیح بخاری'' کے راوی ہیں اورزبردست ثقہ ہیں۔[1]

لہٰذا محض امام ساجی رحمہ اللہ کے بیان نہ کرنے کی وجہ سے ان کا اضافہ رد نہیں کیا جاسکتا۔

❁ **ثالثا:-** امام فربری رحمہ اللہ اپنے استاذ ''عبداللہ بن احمد بن شبویہ'' سے یہ اضافہ بیان کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ دو اور ثقہ رواۃ نے بھی ان کے استاذ ''عبداللہ بن احمد بن شبویہ'' ہی سے یہ اضافہ بیان کرکے ان کی متابعت کی ہے، ملاحظہ ہو:

○ پہلی متابعت از: یعقوب بن یوسف المطوعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۸۷)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳) نے کہا:

"أخبرنا أبو عبد الله الحسين بن شجاع بن الحسن الصوفی، قال:حدثنا عمر بن جعفر بن محمد بن سلم الختلی، قال:حدثنا **يعقوب بن يوسف المطوعی**، قال:حدثنا عبد الله بن أحمد بن شبويه أبو عبد الرحمن، قال:سمعت قتيبة يقول:لولا الثوری لمات الورع:ولولا أحمد بن حنبل لأحدثوا فی الدين ،قلت لقتيبة تضم أحمد بن حنبل إلى أحد التابعين؟ فقال إلى كبار التابعين"[2]

''یعقوب بن یوسف المطوعی فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن احمد بن شبویہ نے بیان کیا کہ میں نے (امام) قتیبہ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر ثوری نہ ہوتے تو ورع کی موت ہوجاتی اور اگر احمد بن حنبل نہ ہوتے تو لوگ دین میں (نئ چیزیں) داخل کردیتے۔'' میں نے (امام) قتیبہ سے کہا: کیا آپ احمد بن حنبل کو تابعین کے ساتھ ملاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ''بزرگ تابعین کے ساتھ۔'''

[1] افادة النصيح بالتعريف بسندالجامع الصحيح (ص٣٤-٤٠)، سير أعلام النبلاء ط الرسالة (١٠/١٥)

[2] تاريخ بغداد للخطيب ، ت بشار (٦/٩٠) واسناده صحيح ومن طريق الحسين بن شجاع أخرجه ابن عساكرفی تاريخ دمشق (٥/٢٧٥) و ابن الجوزی فی مناقب الأحمد (ص١٠٤)

○ دوسری متابعت از: أبوبکر أحمد بن محمد المروذی رحمہ اللہ (۲۷۵)

امام أبوالحسین ابن أبی یعلی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۲۶) نے کہا:

"أنبأنا محمد الصيرفي عن الدارقطني حدثنا محمد بن مخلد حدثنا **أبو بكر المروذي** قال: حدثني عبد الله بن أحمد بن شبويه قال: سمعت أبا رجاء قتيبة بن سعيد يقول لما مات الثوري مات الورع ولولا أحمد بن حنبل لأحدثوا في الدين قال: قلت: لقتيبة يا أبا رجاء تضم أحمد إلى التابعين قال: إلى كبار التابعين"[1]

أبوبکر أحمد بن محمد المروذی فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن احمد بن شبویہ نے بیان کیا کہ میں نے (امام) ابورجاء قتیبہ کو فرماتے ہوئے سنا: جب ثوری فوت ہوئے تو ورع بھی فوت ہو گیا اور اگر احمد بن حنبل نہ ہوتے تو لوگ دین میں (نئی چیزیں) داخل کر دیتے۔" میں نے (امام) قتیبہ ابورجاء سے کہا: کیا آپ احمد بن حنبل کو تابعین کے ساتھ ملاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: "بزرگ تابعین کے ساتھ۔"

"اصول حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے" کہ جب امام فربری رحمہ اللہ کے بیان کردہ اضافہ کو انہیں کے استاذ سے دو اور ثقہ رواۃ نے بھی بیان کیا ہے تو گویا اس اضافہ کو بیان کرنے پر ایک جماعت متفق ہے لہٰذا ایک جماعت کے مقابلے میں اگر صرف ایک راوی زکریا الساجی رحمہ اللہ نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا تو اس سے اس اضافہ کی صحت پر کیا فرق پڑ سکتا ہے؟

❁ <u>زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے پر موصوف کی پیش کردہ دوسری مثال:</u>

زبیر علی زئی صاحب آگے دوسری مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مثال نمبر۲: سفیان ثوری نے عمر بن عامر عن انس کی سند سے ایک روایت بیان کی، اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: "وزاد شعبة: عن عمرو عن أنس: حتى يخرج النبي صلی اللہ علیہ وسلم" (صحیح البخاری ۵۰۳) ظاہر ہے کہ یہ اضافہ وزیادت بھی بالکل صحیح ہے۔"[2]

❁ اولا:- یہاں بھی اختصار کا معاملہ ہے، صحیح بخاری سے پورے الفاظ دیکھیں:

---

[1] طبقات الحنابلة (۱/۲۵۶) واسناده صحيح

[2] مقالات (۶/۳۹۳)

"حدثنا قبيصة، قال:حدثنا سفيان، عن عمرو بن عامر، عن أنس بن مالك، قال:لقد رأيت كبار أصحاب النبى ﷺ يبتدرون السوارى عند المغرب، وزاد شعبة، عن عمرو، عن أنس، حتى يخرج النبى ﷺ" [1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ مغرب (کی اذان) کے وقت ستونوں کی طرف لپکتے۔اور شعبہ نے عمرو بن عامر سے انہوں نے انس رضی اللہ عنہ نے (اس حدیث میں) یہ مزید بیان کیا کہ: یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ (حجرے سے) باہر تشریف لاتے۔

ذرا غور کیجئے حدیث میں مغرب سے قبل صحابہ کرام سے مسجد میں سنت پڑھنے کا عمل منقول ہوا ہے۔اس کے بعد اللہ کے نبی ﷺ کا مسجد میں آنا یقینی ہے۔جس کا تذکرہ امام شعبہ رحمہ اللہ کی روایت میں آگیا، امام سفیان رحمہ اللہ نے اس کا ذکر نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ یہ محض اختصار کا معاملہ ہے۔

نیز تفصیل والا حصہ اختصار والے حصہ کے قطعا منافی نہیں ہے۔اور جہاں اس طرح کا معاملہ ہو وہاں ثقہ راوی کی تفصیل مقبول ہوتی ہے۔ [2]

لیکن ہم نے حدیثِ یزید کی سند میں جس اضافہ کو رد کیا ہے وہ اضافہ دیگر رواۃ کے بیان کے بالکل مخالف و منافی ہے۔ کیونکہ دیگر رواۃ کے بیان کے مطابق حدیث منقطع ٹھہرتی ہے اور اضافہ والے بیان سے حدیث متصل قرار پاتی ۔انقطاع اور اتصال یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف و منافی ہیں لہٰذا ان دونوں میں سے کوئی ایک بیان ہی مقبول ہوسکتا ہے اور قرائن کی روشنی میں انقطاع والا بیان ہی معتبر ہے۔

❁ ثانیا:-امام شعبہ رحمہ اللہ نے اپنے اضافی بیان میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کے مخالف یا منافی کوئی بات بیان نہیں کی ہے بلکہ ایک زائد چیز بیان کی ہے۔اور امام شعبہ رحمہ اللہ ثقہ، حافظ اور بہت بڑے امام ہیں اس لئے ان کا اضافہ جب مخالفت پر مبنی نہیں ہے تو بلاشبہ معتبر ہے۔

---

[1] صحيح البخارى رقم (٥٠٣)

[2] دیکھئے: قرائن الترجيح فى المحفوظ والشاذ (ص٤٧٨)

❁ ثالثا:-امام شعبہ رحمہ اللہ یہ بات بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اسی حدیث کے دیگر طرق میں معنوی طور پر یہی بات مذکور ہے چنانچہ صحیح مسلم میں یہی حدیث، مختار بن فلفل رحمہ اللہ کے طریق سے مروی ہے اور اس میں یہ صراحت ہے:

"كان يرانا نصليهما فلم يأمرنا، ولم ينهنا"[1]

"اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے، پھر نہ تو حکم دیتے تھے اور نہ ہی ہمیں منع فرماتے تھے"

ظاہر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے حجرے سے نکلتے تھے تبھی انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے۔اور یہی بات امام شعبہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے۔امام شعبہ رحمہ اللہ کے اضافہ والی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری ہی میں دوسری جگہ اپنی متصل سند سے بیان کی ہے جس میں ہے:

"حتى يخرج النبي صلی اللہ علیہ وسلم وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب"[2]

"حتی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے اور وہ (صحابہ) اسی طرح مغرب سے قبل دو رکعت پڑھ رہے ہوتے"

اب دیکھئے یہی بات معنوی طور پر مسلم کی مختار بن فلفل والی روایت میں بھی ہے۔لہذا امام شعبہ رحمہ اللہ کا اضافہ اس وجہ سے بھی مقبول ہے۔

❁ زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے پر موصوف کی پیش کردہ تیسری مثال:

زبیر علی زئی صاحب آگے تیسری مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مثال نمبر۳: سفیان ثوری نے منصور بن المعتمر وغیرہ سے ایک روایت بیان کی، اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا:"وزاد اسباط عن منصور. فدعا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فسقوا الغيث ..."(صحیح البخاری:۱۰۲۰)

اسباط بن نصر صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور ہیں اور یہ زیادت حسن لذاتہ یعنی مقبول ہے۔"[3]

یہ مثال اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ محدثین کے یہاں زیادتِ ثقہ علی الاطلاق

---

[1] صحيح مسلم (۱/۵۷۳) رقم (۸۳۶)

[2] صحيح بخاري ،رقم (٦٢٥)

[3] مقالات(۶/۳۹۳)

مقبول نہیں ہوتی ہے۔اس کی تفصیل پیش کرنے سے قبل یہ وضاحت مناسب رہے گی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو تعلیقا ذکر کیا ہے اور پوری صحیح بخاری میں کہیں بھی اس روایت کو اپنی مکمل سند کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح کرتے ہوئے اس روایت کے لئے ایک جگہ ”روایة أسباط المعلقة“ [1] کے الفاظ استعمال کئے ہیں نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں موجود معلق روایات کی تخریج کے لئے ”تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری“ نامی جو کتاب لکھی ہے اس میں اس روایت کی موصول سند ذکر کی ہے۔ [2]

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی اس کتاب میں جن روایات کو صرف اور صرف تعلیقا بیان کرتے ہیں اور کتاب کے اندر کہیں بھی اس کی مکمل سند بیان نہیں کرتے۔یہ روایات اصل کتاب کا حصہ ہرگز نہیں ہوتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کی اس کتاب کا نام ہے چنانچہ صحیح بخاری کا مکمل نام یہ ہے:

”الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأیامه“

”اللہ کے نبی ﷺ کے معاملات،سنن اور ایام پر مشتمل مختصر صحیح،مسند اور جامع (احادیث)“ [3]

اس نام میں ایک لفظ ”المسند“ موجود ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اس کتاب میں

---

[1] فتح الباری لابن حجر(۵۱۱/۲)

[2] تغلیق التعلیق لابن حجر (۳۹۰/۲)

[3] صحیح بخاری کا یہی نام حافظ ابونصر الکلاباذی (المتوفی ۳۹۸) نے ”رجال صحیح البخاری (ص۲۳)“ میں،امام ابوبکر محمد بن خیر الاشبیلی (المتوفی ۵۷۵) نے ”فهرسة ابن خیرالاشبیلی (المتوفی ص۸۲)“ میں، امام ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳) نے ”مقدمة ابن الصلاح(ص۲۶)“ میں،امام نووی (المتوفی ۶۷۶) نے ”تهذیب الأسماء واللغات للنووی (۷۳/۱)“ میں،امام ابن رشید الأندلسی (المتوفی ۷۲۱) نے ”افادة النصیح بالتعریف بسندالجامع الصحیح(ص۱۶)“ میں،علامہ عینی (المتوفی ۸۵۵) نے ”عمدة القاری شرح صحیح البخاری (۵/۱)“ میں ذکر کیا ہے،رحمہم اللہ۔

زبیر علی زئی صاحب نے بھی صحیح بخاری کا یہی نام فہرست ابن خیر الاشبیلی کے حوالے سے لکھا ہے۔ ←

مذکور احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اپنی متصل سند کے ساتھ ذکر کریں گے۔ لہذا کتاب کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ کوئی روایت "مسند" یعنی اپنی مکمل متصل سند سے ذکر نہ کریں تو وہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی اس کتاب کے اصل حصہ میں شمار نہیں ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کے نام سے استدلال کرتے ہوئے کئی اہل علم نے یہی بات کہی ہے۔ (1)

← دیکھئے: صحیح بخاری کا دفاع (ص ۳۶) مطبوعہ مکتبہ الفہیم۔

لیکن موصوف نے اس نام کے لئے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص ۸) کا حوالہ بھی دے دیا ہے جو درست نہیں ہے۔ کیونکہ ھدی الساری میں مذکور نام (الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم وسننه وأیامه) ہے یعنی لفظ "المختصر" نہیں ہے اور "امور" کی جگہ "حدیث" کا لفظ ہے اور لفظ "الصحیح" لفظ "المسند" سے پہلے ہے۔

عبدالفتاح ابوغدہ صاحب نے اسی اختلاف کی وجہ سے صحیح بخاری کا نام بتانے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر رد کیا ہے۔ دیکھئے: تحقیق اسمی الصحیحین وجامع الترمذی: (ص ۱۱)۔

لیکن ابوغدہ صاحب پر حیرت ہے کہ انہوں نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب "تغلیق التعلیق" میں تقریبا وہی نام ذکر کیا ہے جسے ابوغدہ صاحب نے راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کتاب میں لکھا: "الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم وسننه وأیامه" دیکھئے: تغلیق التعلیق لابن حجر (۲/۵)

"سیدنا" کا لفظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف سے زائد سمجھ لیا جائے تو یہاں صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ "الصحیح" کو لفظ "المسند" سے پہلے ذکر کیا ہے۔ لیکن پورے الفاظ وہی ہے۔

ابوغدہ صاحب نے قاضی ابن عطیہ الاندلسی کا حوالہ بھی اپنی تائید میں دیا ہے حالانکہ ان کے ذکر کردہ نام میں بھی اختلاف موجود ہے دیکھئے: تحقیق اسمی الصحیحین وجامع الترمذی: (ص ۲۲-۲۳)۔

الغرض یہ کہ صحیح بخاری کا درست نام وہی ہے جسے ہم نے اوپر درج کیا کیونکہ اکثر اہل علم نے یہی نام ذکر کیا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اپنی دوسری کتاب میں تقریبا یہی نام درج کیا ہے کما مضٰی۔

(1) مقدمة ابن الصلاح (ص ۲٦)، الباعث الحثیث لابن کثیر (ص ۳٤)، أثر علل الحدیث فی اختلاف الفقهاء (ص ٥٤-٥٥)۔

لیکن چونکہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی ایک مقام پر ایسی ہی بات لکھ رکھی ہے اس لئے ہم انہیں کے الفاظ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اصول حدیث کے معمولی طالب علموں کو بھی یہ معلوم ہے کہ مرسل، منقطع، اور بلاغات والی روایات صحیح بخاری کے موضوع اور عنوان سے خارج ہیں، صحیح بخاری کا نام دوبارہ درج ذیل ہے: ''الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه و أيامه'' (فہرست محمد بن خیر عمر الاشبیلی ص۹۴، عمدۃ القاری للعینی ج۱ص۵) یہاں المسند سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو متصل سندوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں'' [1]

تعلیقات البخاری کی حیثیت خود صحیح بخاری کے نام سے واضح کرنے کے بعد عرض ہے کہ دیگر بہت سارے محدثین نے بھی صراحت کر رکھی ہے کہ تعلیقات البخاری اصل کتاب صحیح بخاری کا حصہ نہیں ہیں [2]۔ لہذا ایسی صورت میں اس کتاب کی معلق احادیث صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور ضعیف بھی ہوسکتی ہے۔ [3]

---

[1] توفیق الباری فی تطبیق القرآن و صحیح البخاری (ص ٦١)
واضح رہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے زبیر علی زئی صاحب کی اس کتاب کا یہ نام بڑا عجیب وغریب ہے! اول تو اردو میں ایسے سیاق میں جو لفظ ''تطبیق'' مستعمل ہے، عربی میں اس کی جگہ ''الجمع'' یا ''التوفیق'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر لفظ ''تطبیق'' کو ''الجمع والتوفیق'' کی جگہ استعمال کرلیا گیا تھا تو کم ازکم اس پر الف لام لگا کر آگے لفظ ''بین'' کا اضافہ کرتے ہوئے ''بین القرآن و صحیح البخاری'' لکھنا چاہئے تھا۔ تاکہ کم ازکم جملے کی ترکیب تو مکمل ہوجاتی۔ بہرحال اردو داں طبقہ میں رہنے والوں سے اس طرح کی چوک ہوجاتی ہے اس لئے ہمیں کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہے۔

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص ٢٦)، الباعث الحثيث لابن كثير (ص ٣٤)، أثر علل الحديث في اختلاف الفقهاء (ص ٥٤-٥٥)۔

[3] **تنبیہ بلیغ:**- واضح رہے بعض اہل علم جو یہ کہتے ہیں کہ صیغۂ جزم والی تعلیقات امام بخاری کی نظر میں صحیح ہیں تو (یہ بات کہاں تک درست ہے اس سے قطع نظر) ان اہل علم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ امام بخاری سے لیکر معلق عنہ تک ←

بلکہ صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں صیغۂ جزم کے ساتھ موجود

➜ کا سلسلہ سند صحیح ہوتا ہے، یعنی طبقات سند کے جس راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ جزم کرتے ہیں اس راوی سے اس حدیث کا اسی طرح بیان کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن اس راوی سے لیکر اوپر تک مزید جو حصہ ہے اس حصہ کی تصحیح امام بخاری رحمہ اللہ کے صیغۂ جزم میں شامل نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا معلق عنہ کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی طرف سے شاذ زیادت بیان کرنے کے سبب یا اس کے آگے موجود ضعف کے باعث معلق روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر میں بھی ضعیف ہوسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما الثاني:وهو ما لا يوجد فيه إلا معلقا، فهو على صورتين۔إما بصيغة الجزم وإما بصيغة التمريض۔فأما الأول:**فهو صحيح إلى من علقه عنه**، وبقي النظر فيما أبرز من رجاله"

''رہی (معلقات البخاری کی) دوسری قسم جو صحیح بخاری میں صرف تعلیقا ہی پائی جاتی ہیں، تو ان کی دو صورتیں ہیں۔(الف) یا تو یہ صیغۂ جزم کے ساتھ مذکور ہوں گی (ب) یا صیغۂ تمریض کے ساتھ۔ جہاں تک پہلی صورت (صیغۂ جزم والی تعلیقات) کی بات ہے، **تو اس کی سند معلق عنہ تک تو صحیح ہوگی لیکن اس کے ظاہر کردہ رواۃ میں غور وفکر کی ضرورت باقی رہے گی۔''** دیکھئے: النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (١/٣٢٨)

مثلا صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے "قال طاؤس..." کہہ کر بالجزم ایک معلق روایت بیان کی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"هذا التعليق صحيح الإسناد إلى طاوس لكن طاوس لم يسمع من معاذ فهو منقطع فلا يغتر بقول من قال ذكره البخاري بالتعليق الجازم فهو صحيح عنده لأن ذلك لا يفيد إلا الصحة إلى من علق عنه وأما باقي الإسناد فلا"

یہ تعلیق طاؤس تک صحیح الاسناد ہے، لیکن طاؤس نے اسے معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا اس لئے یہ منقطع ہے۔ لہذا ان لوگوں کے قول سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے جو کہتے ہیں کہ ''امام بخاری نے اس تعلیق کو بالجزم بیان کیا ہے اس لئے امام بخاری کے نزدیک یہ صحیح ہے۔'' کیونکہ صیغۂ جزم صرف اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ یہ معلق عنہ (طاؤس) تک صحیح ہے، رہی باقی (طاؤس سے آگے کی) سند تو وہ صحیح نہیں' دیکھئے: فتح الباري لابن حجر (٣/٣١٢) نیز دیکھیں: الباعث الحثيث لابن كثير (ص ٣٤) ودیگر کتبِ علوم حدیث میں معلقات البخاری کی بحث۔

معلق احادیث میں سے بعض کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ کہا:

" و بعضه يكون ضعيفا من جهة الانقطاع خاصة"[1]

"اور بعض (صیغۂ جزم والی) تعلیقات ضعیف ہوں گی بالخصوص انقطاع کی وجہ سے"

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری میں ایسی معلق روایات صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور ضعیف بھی ہوسکتی ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ زبیر علی زئی صاحب کے اس طرز عمل کو کیا نام دیا جائے کہ آں جناب صحیح بخاری کی معلق حدیث کو مثال میں پیش کر کے سادہ لوح قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی ان اصل احادیث میں سے ہے جنہیں بالاتفاق صحیح تسلیم کیا جاتا ہے اوران کی صحت پر امت کا اجماع نقل کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی معلق احادیث کو صحیح بخاری کی اصل احادیث صحیحہ میں باور کرانا تو دور کی بات محدثین کے یہاں اتنی بھی گنجائش نہیں ہے کہ ایسی معلق حدیث کے بارے میں علی الاطلاق یہ کہا جائے کہ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اس مفصل اور ضروری وضاحت کے بعد موصوف کی پیش کردہ تیسری مثال کی بابت عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی متصل حدیث ذکر کرنے کے بعد "اسباط بن نصر" کی جو زیادت بیان کی ہے اسے تعلیقا ذکر کیا ہے اور پوری کتاب میں کہیں بھی اس کی کوئی متصل سند پیش نہیں کی ہے۔لہٰذا یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی اصل کتاب میں شامل نہیں ہے، بلکہ تعلیقا مذکور ہے۔اور ماقبل میں پوری تفصیل پیش کی جاچکی ہے کہ اس طرح کی معلق روایات صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور ضعیف بھی ہوسکتی ہیں۔اب اس زیادت والی معلق روایت سے متعلق محدثین کی تحقیق ملاحظہ ہو:

اسباط بن نصر کے مذکورہ اضافے کے بارے میں محدثین کا دوقول ہے:

---

[1] النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (١/٣٢٨)

○ پہلا قول:-

یہ اضافہ غلط ہے۔اسباط بن نصر کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث میں یہ اضافہ ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اضافہ والی یہ بات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نہیں، بلکہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، چناں چہ:

❁ امام ابوجعفر أحمد بن نصر الداودی الاسدی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۲) نے کہا:

"أدخل قصة المدينة فی قصة قريش وهو غلط"[1]

''اس نے مدینہ والے واقعہ کو قریش (مکہ) والے واقعہ میں داخل کر دیا اور یہ غلط ہے''

❁ حافظ ابوالملک مروان بن علی القرطبی البونی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۹) نے کہا:

"الذی زاده أسباط وهم واختلاط لأنه ركب سند عبد الله ابن مسعود علی متن حديث أنس بن مالك، وهو قوله:(فدعا رسول الله ﷺ فسقوا الغيث)---إلی آخره"[2]

''اسباط نے جو زیادت بیان کی ہے وہ وہم اور اختلاط ہے کیونکہ اس نے عبداللہ بن مسعود والی سند کو انس بن مالک والی حدیث کے متن کے ساتھ جوڑ دیا اور وہ ہے

" فدعا رسول الله ﷺ فسقوا الغيث ---إلی آخره"

❁ علامہ شمس الدین الکرمانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۸۶) نے کہا:

"القصة مكية إلا القدر الذی زاد أسباط فإنه وقع فی المدينة والروايات الأخر تدل عليه"[3]

''یہ واقعہ مکہ کا ہے سوائے اس حصہ کے جس کا اضافہ اسباط (بن نصر) نے کیا ہے کیونکہ یہ حصہ مدینہ میں پیش آیا جیسا کہ دیگر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں''

---

[1] عمدة القاری شرح صحيح البخاری (۴۶/۷) نیز دیکھیں:فتح الباری لابن حجر (۵۱۱/۲)

[2] عمدة القاری شرح صحيح البخاری (۴۶/۷)

[3] الكواكب الدراری فی شرح صحيح البخاری (۱۱۳/۶)

❁ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (۸۵۵) نے کہا:

"وقد ساعد بعضهم البخاری بقوله:لا مانع أن يقع ذلك مرتين وفيه نظر لا يخفى"[1]

''اور بعض نے (امام) بخاری (رحمہ اللہ) کی مساعدت یہ کہتے ہوئے کی ہے کہ:اس بات سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ یہ واقعہ دو بار پیش آیا ہو۔اوراس بات کا محل نظر ہونا مخفی نہیں ہے''

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے آپ لکھتے ہیں:

"على أن فيه نكارة أخرى،وهی قوله:"فشكاالناس---فسقى الناس حولهم"،فان هذا فی حديث أنس فی استسقاءه صلی اللہ علیہ وسلم فی المدينه(انظرمختصرالبخاری۴۹۷)،فاختلط على الراوی هذابحديث الباب فأدخله فيه،ذلك بماجزم به الداودی وغيره ونسبوا أسباط بن نصرالى الغلط فيه"[2]

''علاوہ بریں اس میں ایک نکارت اور ہے اور وہ یہ قول ہے''فشكا الناس--- فسقى الناس حولهم''، کیونکہ یہ اُنس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حصہ ہے جس میں مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استسقاء کا ذکر ہے(دیکھئے:مختصرالبخاری ۴۹۷)۔لیکن راوی پر یہ حصہ باب میں مذکور حدیث کے ساتھ مشتبہ ہوگیا اوراس نے اسے اس حدیث میں داخل کردیا۔(امام) داودی وغیرہ نے یہی صراحت کی ہے، ان حضرات نے اُسباط بن نصر کواس بیان میں غلط کار کہا ہے''

محدثین کا اس اضافہ کو غلط قرار دینا، اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ ہر جگہ ثقہ کی زیادت قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔

---

[1] عمدة القاری شرح صحيح البخاری (۴٦/۷)

[2] صحيح السيرة النبوية (ص۲۲۸)

دوسرا قول:

یہ اضافہ درست ہے کیونکہ اس اضافہ کا شاہد موجود ہے یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے اور اسباط بن نصر کی زیادت کا شاہد پیش کیا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک شاہد پیش کرکے اس میں مذکور واقعے اور زیر بحث حدیث میں مذکور واقعے میں یکسانیت دکھلانے کے بعد لکھتے ہیں:

”فدل ذلك على اتحاد قصتهما وقد ثبت فى هذه ما ثبت فى تلك من قوله انك لجرىء ومن قوله فقال اللهم حوالينا ولا علينا وغير ذلك وظهر بذلك أن أسباط بن نصر لم يغلط فى الزيادة المذكورة“[1]

”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں احادیث (شاہد ومشہود لہ) کا واقعہ ایک ہی ہے۔ ” انك لجرىء “ اور ” فقال اللهم حوالينا ولا علينا “ کے الفاظ دونوں حدیث میں ثابت ہیں ۔اس سے ظاہر ہوا کہ اُسباط بن نصر نے مذکورہ زیادت بیان کرنے میں غلطی نہیں کی ہے“

غور کریں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسباط بن نصر کی زیادت کو صحیح قرار دیا بلکہ اسے غلط قرار دینے والوں کی مفصل تردید کی لیکن اس پوری بحث میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ یہ اضافہ محض اس لئے مقبول ہے کیونکہ یہ ”ثقہ“ کی زیادت ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے قرینہ یعنی شاہد کی روشنی میں قبول کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے پیش نظر یہ شاہد نہ ہوتا تو حافظ ابن حجر بھی اسباط بن نصر کی اس زیادت کو منکر قرار دیتے۔ بلکہ درج بالا شاہد پر آگاہی سے قبل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی

---

[1] فتح الباری لابن حجر (٢/٥١٢)

دیگر محدثین کی طرح اسباط بن نصر کی اس زیادت کو منکر قرار دیا تھا[1]۔

چناں تہذیب میں لکھا:

"قلت:علق له البخارى حديثا فى الاستسقاء وقد وصله الإمام أحمد والبيهقى فى السنن الكبير وهو حديث منكر أوضحته فى التعليق"[2]

"میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں: (امام) بخاری نے اس (اسباط بن نصر) کی ایک حدیث استسقاء کے بیان میں معلق بیان کی ہے اور اسے امام احمد اور بیہقی نے السنن الکبیر میں موصول بیان کیا ہے اور یہ حدیث منکر ہے جیسا کہ میں نے تعلیق میں وضاحت کی ہے"

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسباط بن نصر کی اس زیادت کو منکر قرار دیا تھا۔ اور بعد میں اس کی تصحیح کی تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ ثقہ کی زیادت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو اس کا شاہد مل گیا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد حاول الحافظ فى " الفتح "(٢/ ٥١١)تبرئته من ذلك بشاهد ذكره من حديث كعب بن مرة أومرة بن كعب وياتى

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ شاہد پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**ثم وجدت فى الدلائل للبيهقى**" (پھر میں بیہقی کی دلائل میں پایا)[فتح البارى لابن حجر (٢/ ٥١١)]

اس سے ظاہر ہے کہ اس شاہد پر ان کی آگاہی بعد میں ہوئی ہے۔ اس لئے تصحیح کا فیصلہ بعد کا ہے نیز فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر تہذیب کا حوالہ دیا ہے (۱/ ۵۱، ۱۳/ ۳۲۴) اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فتح الباری والا موقف بعد کا ہے بلکہ فتح الباری میں پیش کردہ اس موقف پر علامہ عینی رحمہ اللہ نے رد بھی کیا اس کے بعد بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنے موقف پر باقی رہے دیکھئے: انتقاض الاعتراض فى الرد على العينى فى شرح البخاى لابن حجر:(١/ ٤٠٤)

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ فتح الباری والا موقف بعد کا ہے۔

[2] تهذيب التهذيب لابن حجر، ت الهند(١/ ٢١٢)

بيان مافيه قريباان شاء الله“[1]

اورحافظ ابن حجر نے” الفتح “ (۲/۵۱۱) میں اس (اسباط بن نصر) کو اس (غلطی) سے بری قرار دینے کی کوشش کی ہے ایک شاہد کے ذریعہ جسے کعب بن مرۃ یا مرۃ بن کعب کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ اور اس میں جو کچھ ہے اس کی وضاحت عنقریب ان شاء اللہ آرہی ہے۔“

لیکن یہ شاہد ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”ثم وجدت في الدلائل للبيهقي من طريق شبابة عن شعبة عن عمرو بن مرة عن سالم [ابن] أبي الجعد عن شرحبيل بن السمط عن كعب بن مرة أو مرة بن كعب قال---الخ“[2]

یہ سند منقطع ہے کیونکہ سالم بن أبي الجعد نے شرحبیل سے نہیں سنا ہے۔ امام أبوداود رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۵ھ) نے کہا:

”سالم لم يسمع من شرحبيل“[3]

”سالم نے شرحبیل سے نہیں سنا“

غالباً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سند کی اس کمزوری سے آگاہ نہ ہوسکے واللہ اعلم۔

---

[1] صحيح السيرة النبوية (ص۲۲۸-۲۲۹)

[2] فتح الباری لابن حجر (۲/۵۱۱)، اصل کتاب میں ”ابن“ کی جگہ ”عن“ ہے اور یہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ اصل مراجع میں سالم کے بعد ”بن“ ہی ہے دیکھئے: دلائل النبوة للبيهقي ت قلعي (۶/۱۴۶)۔ دلائل النبوۃ میں ”ابن السمط“ سے پہلے ”عن شرحبیل“ ساقط ہوگیا ہے لیکن بیہقی ہی کی دیگر سندوں میں موجود ہے دیکھئے: السنن الكبرى للبيهقي (۳/۴۹۶)، الدعوات الكبير للبيهقي (۲/۱۷۹)، نیز دیکھئے: مسند أحمد ط الميمنية (۴/۲۳۵-۲۳۶)۔

[3] سنن أبي داود (۲/۲۵)، نیز دیکھیں: جامع التحصيل للعلائي (ص۱۷۹)، تحفة التحصيل في ذكر رواة المراسيل (ص۱۲۰)، أنيس الساري في تخريج وتحقيق الأحاديث التي ذكرها الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري (۱/۸۵۲)، الصحيحة الألباني (۶/۲۱۷)۔

یہ تھی موصوف کی پیش کردہ تین مثالیں جن کے ذریعہ آں جناب نے زیادت ثقہ سے متعلق محدثین کے منہج کی غلط ترجمانی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی تین مثالیں

موصوف کی پیش کردہ تینوں مثالوں کی وضاحت کے بعد آیئے ہم بھی قارئین کے سامنے تین ایسی مثالیں رکھ دیں جن میں سند یا متن کے اندر ثقہ کی طرف سی کئی گئی زیادت کو محدثین نے رد کر دیا ہے:

❀ (ا) زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی پہلی مثال:

'' أسامہ، عن محمد بن عمرو بن عطاء، عن عطاء بن یسار، عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ '' کی سند سے ایک مرفوع حدیث ہے۔ اس حدیث کو '' أسامہ بن زید'' سے مذکورہ سند کے ساتھ امام یحیی بن سعید القطان، امام وکیع، عبید اللہ بن موسی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ [1]

لیکن '' عبداللہ بن وھب'' نے اس حدیث کو اسامہ بن زید ہی کی سند سے روایت کیا تو سند کے اندر ایک مزید روای '' محمد بن عمرو بن حلحلۃ'' کا اضافہ کر دیا۔ [2]

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵) اس اضافہ کے بارے میں کہتے ہیں:

”وروِاه عبد الله بن وهب، عن أسامة، فقال عن محمد بن عمرو بن حلحلة، عن محمد بن عمرو بن عطاء، **زاد في الإسناد محمد بن عمرو بن حلحلة**“ [3]

'' اسے عبداللہ بن وہب نے '' أسامۃ، فقال عن محمد بن عمرو بن حلحلۃ، عن محمد بن عمرو

---

[1] مسند أحمد، ط الميمنية (۲٤/۳) واسناده صحيح ۔الزهد لوكيع،(ص ۳۲۲) واسناده صحيح ۔ العلل للدارقطني، ت محفوظ السلفي(۲۵۲/۱۱)۔

[2] شرح مشكل الآثار(٤٧٤/٥) و رجاله ثقات۔شعب الإيمان(۲٦۲/۱۲)۔ العلل للدارقطني، ت محفوظ السلفي(۲۵۲/۱۱)۔

[3] العلل للدارقطني، ت محفوظ السلفي(۲۵۲/۱۱)

بن عطاء'' کی سند سے روایت کیا **اور سند میں ''محمد بن عمرو بن حلحلۃ'' کا اضافہ کردیا۔''**

اس کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ اس اضافہ کو وہم و غیر صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ووهم فيه ،والصحيح قول يحيى القطان، ومن تابعه "[1]

عبداللہ بن وھب کو اس میں وہم ہوا ہے، صحیح وہی ہے جو یحییٰ بن سعید القطان اور ان کی موافقت کرنے والوں نے بیان کیا ہے''

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح اس مثال میں ایک ثقہ راوی نے سند میں ایک راوی کا اضافہ کردیا، اور چونکہ اسی سند کو نقل کرنے والے دیگر رواۃ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان وغیرہ نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا تھا اس لئے امام درقطنی رحمہ اللہ نے اسے وہم قرار دے کر رد کردیا۔

ہم کہتے ہیں یزید والی حدیث کی سند کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس میں بھی عبدالوہاب ثقفی نے سند میں ایک راوی کا اضافہ کردیا ہے جبکہ اسی سند کو بیان کرنے والے دیگر رواۃ نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا ہے۔ لہٰذا یہ اضافہ بھی عبدالوھاب الثقفی کے وہم کا نتیجہ ہے اور نامقبول ہے۔

❀ (۲) زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی دوسری مثال:

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹) اپنی ''مؤطا'' میں دعائے جنازہ سے متعلق ''سعید المقبری'' کی سند سے ایک روایت لائے ہیں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول اسی روایت کو ''سعید المقبری'' ہی کی سند سے امام بیہقی (المتوفی ۴۵۸) رحمہ اللہ نے ''یحیی بن سعید'' کے طریق سے نقل کیا ہے۔[3]

لیکن اس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد ''عبادہ بن صامت'' کا ذکر ہے جن سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت نقل کررہے ہیں۔

---

[1] العلل للدارقطنی، ت محفوظ السلفی(۲۵۲/۱۱)

[2] مؤطا مالك ت عبدالباقی (ص۲۸۸) رقم (۱۷)

[3] السنن الكبرى للبيهقی(٦٥/٤)رقم (٦٩٦٣) ورجاله ثقات كلهم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) اس زیادت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أن البيهقي أخرجه من وجه آخر عن يحيى بن سعيد، **فزاد فيه بعد أبي هريرة عبادة بن الصامت**“[1]

”امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق سے یحیی بن سعید کے واسطہ (”سعید المقبری“ کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی) اسی روایت کو نقل کیا ہے۔ **جس میں یحیی بن سعید نے ابو ہریرہ کے بعد ”عبادہ بن صامت“ کا اضافہ کردیا ہے۔**“

اس اضافہ کو بیان کرنے والے ”یحیی بن سعید“ ثقہ ہیں لیکن چونکہ ان سے اوثق واحفظ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بیان نہیں کیا اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسے شاذ ومردود قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وهي زيادة شاذة، ومالك أحفظ لا سيما في حديث المدنيين۔“[2]

”اور یہ زیادت (اضافہ) شاذ ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ زیادہ حفظ والے ہیں بالخصوص مدنی رواۃ کی احادیث میں۔“

قارئین ملاحظہ فرمائیں یہاں بھی سند میں ایک ثقہ راوی کی جانب سے ایک راوی کا ایسا اضافہ ہوا جسے ان سے اوثق راوی نے بیان نہیں کیا تھا اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے شاذ کہہ کر رد کردیا۔ یہی معاملہ یزید والی حدیث میں ہے اس میں بھی عبدالوہاب نے ایک راوی کا اضافہ کردیا ہے جسے ان سے اوثق راوی نے بیان نہیں کیا ہے بلکہ دیگر رواۃ میں سے کسی ایک نے بھی اسے بیان نہیں کیا۔ اس لئے یہ اضافہ بھی شاذ ومردود ہے۔

---

[1] نتائج الأفكار لابن حجر (۷/۳۸۶-۳۸۷)۔
واضح رہے کہ موقوف اور مرفوع کے اختلاف کی نوعیت بھی تقریبا یہی ہوتی ہے، ایک روای کسی روایت کو صحابی سے نقل کرتا ہے اور دوسرا راوی اسی روایت کو اسی صحابی سے نقل کرتا ہے لیکن اس صحابی کے آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کا اضافہ کردیتا ہے۔

[2] نتائج الأفكار لابن حجر (۷/ ۳۸۷)

یہ دومثالیں تو سند میں شاذ اضافہ سے متعلق ہوئی اب تیسری مثال متن میں شاذ اضافہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں:

❁ (۳) زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی تیسری مثال:

''عبداللہ بن بریدہ'' کے طریق سے کئی رواۃ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ: ''ہر دو اذان کے بیچ نماز ہے''۔[1]

اسی حدیث کو ''عبداللہ بن بریدہ'' ہی کے طریق سے ''حیان بن عبیداللہ بن حیان، ابو زہیر العبدی، البصری'' نے بھی نقل کیا ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کے متن میں نماز مغرب کے استثناء کا اضافہ بیان کر دیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) فرماتے ہیں:

"**وزاد** في آخره إلا المغرب"[3]

''اور اس (حیان بن عبیداللہ) نے اس حدیث کے اخیر میں **یہ اضافہ کیا ہے** سوائے نماز مغرب کے''

اس اضافہ کو بیان کرنے والے ''حیان بن عبیداللہ'' صدوق وحسن الحدیث ہیں۔[4]

---

[1] "سعيد بن إياس الجريري (المتوفى ١٤٤)" دیکھئے: صحیح بخاری، رقم (٦٢٤)۔
"كهمس بن الحسن التميمي (المتوفى ١٤٩)" دیکھئے: صحیح بخاری، رقم (٦٢٧)

[2] مسند البزار (١٠/٣٠٣) ورجاله ثقات، شرح مشكل الآثار للطحاوی (١٤/١١٦)

[3] فتح الباری لابن حجر (٢/١٠٨)

[4] امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷) نے انہیں "صدوق" کہا ہے۔ دیکھئے: الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (٣/٢٤٦)۔ امام إسحاق بن راهَوَیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۷) نے کہا: "وكان رجلا صدوقا" دیکھئے: أمالي ابن بشران الجزء الثاني (ص ٢٥٠) واسناده صحيح۔ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی ۲۹۲) نے کہا: "ليس به بأس" دیکھئے: مسند البزار (١٠/٣٠٣)۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی ۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے: الثقات لابن حبان ط االعثمانية (٦/٢٣٠)۔

اس قدر توثیق کے باوجود ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۶) کا انہیں مجہول کہنا (المحلى لابن حزم ٢/٢٢) درست نہیں۔ اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: "وقال بن حزم مجهول فلم يصب"، ''ابن حزم نے کہا: یہ مجہول ہیں۔ لیکن انہوں نے درست نہیں کہا۔'' دیکھئے: لسان الميزان لابن حجر، ط الهند (٢/٣٧٠)۔

تنبیہ بلیغ:- ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) نے زبردست مغالطہ کا شکار ہو کر ''حیان بن عبیداللہ'' کی مذکورہ ←

لیکن چونکہ ان کے علاوہ دیگر اوثق رواۃ نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے حافظ

← روایت کو موضوعات میں نقل کر دیا ہے۔ اور امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۹) سے نقل کیا کہ انہوں نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ دیکھئے: الموضوعات لابن الجوزی (۲/۹۲)

عرض ہے کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا مرجع غالبا کامل لابن عدی ہے۔ لیکن ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں امام الفلاس رحمہ اللہ کی کذاب والی جرح ''حیان بن عبیداللہ'' پر نہیں بلکہ ''حیان بن عبداللہ'' پر نقل کی ہے، دیکھئے: الکامل لابن عدی (۳/۴۵ ۳)

اسی لئے امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱) نے ابن الجوزی رحمہ اللہ پر تعاقب کرتے ہوئے کہا:

''وحیان هذا غیر الذی کذبه الفلاس ذاک حیان ابن عبد الله بالتکبیر أبو جبلة الدارمی و هذا حیان بن عبید الله بالتصغیر أبو زهیر البصری''

''یہ حیان وہ نہیں ہے جسے امام الفلاس نے کذاب کہا ہے، وہ ''حیان بن عبداللہ'' عبد کی تکبیر کے ساتھ ہے یہ ابوجبلہ الدارمی ہے۔ جبکہ یہ ''حیان بن عبیدللہ'' عبید کی تصغیر کے ساتھ ہیں۔ یہ ابوزہیر البصری ہے۔'' دیکھئے: اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة (۲/ ۱٤) ۔ ابن العراق الکنانی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۶۳) نے بھی یہی بات دہرائی ہے دیکھئے: تنزیه الشریعة لابن العراق (۲/۹۸)۔

ہماری نظر میں امام الفلاس نے ''حیان بن عبداللہ'' کو بھی کذاب نہیں کہا ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن عدی نے قطع ید سے متعلق جو روایت بغیر سند کے نقل کی ہے اسے سند کے ساتھ خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے اور اس میں ''حیان بن عبداللہ'' کا نہیں بلکہ ''حماد المالکی'' کا ذکر ہے اور اسی کی تکذیب امام الفلاس نے کی ہے۔ الجامع لأخلاق الراوی (۲/۱۶۹)

اس سے ثابت ہوا کہ امام الفلاس نے جسے کذاب کہا ہے وہ ''حیان بن عبداللہ'' نہیں بلکہ ''حماد المالکی'' ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام دارقطنی نے بھی ''حماد المالکی'' کو کذاب کہا ہے اور اسے حسن بصری سے روایت کرنے والا بتلایا ہے۔ دیکھئے: کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ت الأزهری ص(۱۰۵)۔ اور قطع ید سے متعلق مذکورہ روایت میں حماد المالکی، حسن بصری ہی سے روایت کر رہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ''حماد المالکی'' کے ترجمہ میں کہا: ''**کذبه الفلاس**'' (امام الفلاس نے اسے کذاب کہا ہے)۔ دیکھئے: لسان المیزان لابن حجر، ط الهند (۲/۳۵۳)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ امام عمرو بن علی الفلاس نے جس راوی کو کذاب کہا ہے وہ نہ تو ''حیان بن عبیداللہ'' ہے اور نہ ہی ''حیان بن عبداللہ'' بلکہ وہ ''حماد المالکی'' ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ اسے شاذ و مردود قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما رواية حيان وهو بفتح المهملة والتحتانية فشاذة لأنه وإن كان صدوقا عند البزار وغيره لكنه خالف الحفاظ من أصحاب عبد الله بن بريدة في إسناد الحديث ومتنه"[1]

''اور رہی وہ روایت جسے ''حیان (بن عبیداللہ)'' نے بیان کی ہے تو وہ شاذ ہے۔ کیونکہ یہ (حیان بن عبیداللہ) گرچہ (امام) بزار (رحمہ اللہ) وغیرہ کے نزدیک صدوق ہیں لیکن انہوں نے ''عبداللہ بن بریدہ'' کے دیگر حفاظ شاگردوں کی سند و متن میں مخالفت کی ہے۔

قارئین! ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس حوالہ کے تحت زیادتِ ثقہ پر گفتگو کا کوئی محل نہیں تھا، لیکن چونکہ زبیر علی زئی صاحب نے نہ جانے کس عالم میں یہ بحث یہاں چھیڑ دی اور تین مثالیں بھی پیش کر دیں۔ اس لئے ہم نے بھی اتمام حجت کی خاطر ان کی پیش کردہ تینوں مثالوں کی کیفیت واضح کر دی ہے، اور ساتھ ساتھ موصوف کی خدمت میں ہم نے بھی زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی تین مثالیں رکھ دی ہیں۔

زیاتِ ثقہ سے متعلق ہم جس موقف پر بفضل الٰہی گامزن ہیں وہی موقف ائمہ حدیث کا موقف ہے لیکن زبیر علی زئی صاحب اس موقف کو تمنا عمادی، بشیر احمد میرٹھی وغیرہما کی پگڈنڈیاں بتلاتے ہوئے بغیر کسی شرم و حیا کے فرماتے ہیں:

''سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ تمنا عمادی اور بشیر احمد میرٹھی وغیرہما کی پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر محدثین کرام کی جرنیلی شاہراہ پر گامزن ہو جائیں اور منکرین حدیث کے لئے چور دروازے نہ کھولیں''[2]

قارئین کرام! زبیر علی زئی صاحب کا یہ طنطنے دار دعوی پڑھنے کے بعد اس کے بالکل برعکس

[1] فتح الباری لابن حجر (۲/۱۰۸)
[2] مقالات (۶/۳۹۳)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کا یہ بیان دیکھئے:

"والمنقول عن أئمة الحديث المتقدمين: كعبد الرحمن بن مهدى، ويحيى القطان، وأحمد بن حنبل، ويحيى بن معين، وعلى بن المدينى، والبخارى، وأبى زرعة، وأبى حاتم، والنسائى، والدارقطنى، وغيرهم، اعتبار الترجيح فيما يتعلق بالزيادة وغيرها، ولا يعرف عن أحد منهم إطلاق قبول الزيادة"[1]

جو بات متقدمین ائمہ جیسے امام عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸)، امام یحیی بن سعید القطان (المتوفی ۱۹۸)، امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱)، امام یحیی بن معین (المتوفی ۲۳۳)، امام علی ابن المدینی (المتوفی ۲۳۴)، امام بخاری (المتوفی ۲۵۶)، امام ابوزرعہ (المتوفی ۲۶۴)، امام ابوحاتم (المتوفی ۲۷۷)، امام نسائی (المتوفی ۳۰۳) اور امام دارقطنی (المتوفی ۳۸۵) وغیرہم سے منقول ہے وہ یہ کہ زیادت وغیرہ سے متعلق ترجیح (بذریعہ قرائن[2]) کا اعتبار کیا جائے گا۔ اوران ائمہ میں سے کسی ایک سے بھی زیادت کو علی الاطلاق قبول کرنے کا موقف معروف نہیں ہے۔

دیکھا آپ نے ! جس موقف کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ ائمہ حدیث کا متفقہ موقف بتلارہے ہیں ، زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں وہ موقف تمنا عمادی اور بشیر احمد میرٹھی وغیرہما کا موقف ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

---

[1] نزهة النظر فى توضيح نخبة الفكر، ت الرحيلى (ص ۸۲-۸۳)

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"والذي يجري علىٰ قواعد المحدثين أنهم لا يحكمون عليه بحكم مستقل من القبول والرد، بل يرجحون بالقرائن كما قدمناه في مسألة تعارض الوصل والإرسال"

"زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کے قواعد پر جو بات جاری ہے، وہ یہ کہ محدثین زیادتِ ثقہ پر قبول ورد کے اعتبار سے کوئی مستقل حکم نہیں لگاتے، بلکہ قرائن کی روشنی میں ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ موصول اور مرسل کے تعارض کے مسئلے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔" [النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (۲/ ۶۸۷)]

بلکہ حد ہوگئی ائمہ حدیث کے اس موقف کو موصوف منکرین حدیث کے لئے چوردروازہ قرار دیتے ہیں۔آں جناب کو کون بتلائے کہ ائمہ حدیث کے اس موقف سے بغاوت ہی منکرین حدیث کے لئے چوردروازہ ہے۔

منکرین حدیث کے من جملہ اعتراضات میں ایک مرکزی اعتراض یہ ہے کہ محض رواۃ کے ثقہ ہونے سے ان کے بیان کو صحیح مان لینا گویا ان کو معصوم عن الخطاء ماننا ہے کیونکہ رواۃ ثقاہت وعدالت میں کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہوں لیکن وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اس لئے بشری تقاضے کے مطابق وہ غلطیوں سے بالاتر نہیں ہیں۔پھر اس شبہے کی بنیاد پر وہ ساری احادیث کو مشکوک ٹھہرادیتے ہیں۔

اس کا جواب محدثین کے اصول کی روشنی میں یہ ہے کہ محدثین ثقہ رواۃ کو معصوم عن الخطاء نہیں مانتے اور نہ ہی محض رواۃ کی ثقاہت دیکھ کر صحتِ حدیث کا فیصلہ دیتے ہیں، بلکہ بشری تقاضے کے مطابق ثقہ رواۃ سے بھی غلطی کے امکان کو تسلیم کرتے ہیں۔اور اس کی چھان بین کے لئے وہ ایک ثقہ کی روایت کو دیگر ثقات کی روایات کے ساتھ موازنہ کرکے دیکھتے ہیں اور قرائن کی روشنی میں جہاں ثقہ کی غلطی ظاہر ہوجاتی ہے اسے رد کردیتے ہیں۔

اس طرح ثقہ رواۃ سے بشری تقاضے کے مطابق جو غلطیاں ہوسکتی ہیں ان کی نشاندہی کا بندوبست بھی محدثین نے کردیا ہے۔اور ثقہ رواۃ کی ایسی غلطیوں کو صحیح احادیث سے الگ کردیا ہے۔اس لئے اس شبہہ کو بنیاد بنا کر احادیث صحیحہ کو مشکوک قرار دینے کا دروازہ قطعا بند ہے۔

لیکن زبیرعلی زئی صاحب نے زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق مقبول قرار دے منکرین حدیث کے اس شبہے کو مضبوط کردیا ہے کہ بشری تقاضے کے مطابق ثقہ رواۃ کی غلطیوں سے احادیث محفوظ نہیں ہے۔اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ منکرین حدیث کے لئے چوردروازہ کون کھول رہا ہے؟

اس حوالے پر اپنا تبصرہ ختم کرتے ہوئے زبیرعلی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ کفایت اللہ سنابلی صاحب نے امام ابن عدی پر جھوٹ بولا ہے''[1]

عرض ہے کہ آپ کی تفصیل پر ہماری تفصیل پڑھنے کے بعد ہر عدل پسند شخص کے لئے ظاہر ہوجائے گا کہ مجھ پر جھوٹا الزام لگا کر خود آپ نے یہ ناپاک حرکت کی ہے۔

[1] مقالات (۶/۳۹۳)

تیسرا حوالہ

امام بیہقی رحمہ اللہ کا موقف

تیسرا حوالہ ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا اور زبیر علی زئی صاحب نے اپنی جوابی تحریر میں اس پر تبصرہ دوسرے نمبر پر کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کا پورا تبصرہ ایک ساتھ نقل کرتے ہیں:

''۲) سنابلی صاحب نے لکھا ہے: ''امام بیہقی رحمہ اللہ نے (۴۵۸)، نے اسے منقطع قرار دیا ہے، اور اس کے متن کو بھی منکر بتلایا ہے دیکھئے [دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶/ ۴۶۷]

واضح رہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے لیکن یہاں پر بیہقی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پراوہ کئے اسے منقطع قرار دیا گویا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت اصلا منقطع ہی ہے (سنابلی تحریر ص ۳)

اس عبارت میں سنابلی صاحب نے دو جھوٹ بولے ہیں:

۱: بیہقی نے اسے (یعنی عبدالوهاب الثقفی ناعوف ثنامهاجر أبو مخلد حدثنی أبو العالية حدثنی أبو مسلم والی سند کو) منقطع قرار دیا ہے۔

۲: بیہقی نے اسے منکر بتلایا ہے۔

یزید کی مذمت والی حدیث دو① مشہور② سندوں سے مروی ہے۔

اول: أبو مخلد عن أبی العالية عن أبی مسلم الجذمی عن أبی ذر رضی الله عنه (تاریخ دمشق وابن خزیمہ)

دوم: أبو مخلد مهاجر بن مخلد عن أبی العالية عن أبی ذر رضی الله عنه (ابویعلی وغیرہ)

---

① دوسندوں سے زبیر علی زئی صاحب کی مراد ابوذر رضی اللہ عنہ سے نیچے سند میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ ورنہ اصل متن حدیث کے لئے یہ دونوں کلی طور سے الگ الگ سندیں نہیں ہیں۔

نیز یہ اختلاف عبدالوہاب الثقفی کی غلطی کا نتیجہ ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے اور اصلا اس حدیث کی ایک ہی سند (عوف عن مهاجر عن أبی العاليه عن أبی ذر) ہے جو منقطع ہے۔ اسے عوف سے اسی طرح بیان کرنے پر عبدالوہاب الثقفی کے علاوہ سارے رواۃ کا اتفاق ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۳۴ تا ۱۷۴)

② یہ کیسی ''مشہور'' سندیں ہیں جو نہ صحیحین میں ہیں، نہ سنن اربعہ میں ہیں، نہ مؤطا و مسند احمد اور سنن دارمی میں ان کا کوئی نام و نشان ہے۔

بیہقی نے اسے عوف عن أبی خلدة (خالدبن دینار) عن أبی العالیة کی سند سے روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ۶/ ۴۶۶۔۴۶۷، دوسرانسخہ ۶/ ۴۱۰ ح ۲۸۳۸)

ہوسکتا ہے أبوخلدہ تصحیف ہو اور یہاں ابومخلد (مہاجر بن مخلد) کا نام ہو[1]۔ واللہ اعلم۔

امام بیہقی نے ابومسلم کے اضافہ کے بغیر ابوالعالیہ والی روایت بیان کر کے لکھا ہے:

''قلت: یزید بن أبی سفیان کان من أمراء الأجناد بالشام فی أیام أبی بکر وعمر لکن سمیه یزید بن معاویة یشبه أن یکون هو والله أعلم وفی هذا الإسناد إرسال بین أبی العالیة وأبی ذر.''

میں نے کہا ابوبکر اور عمر کے زمانے میں یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم) شام میں جہادی لشکروں کے امراء میں سے تھے لیکن قریب یہی ہے کہ اس حدیث سے مراد ان کا ہم نام یزید بن معاویہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور اس سند میں ابوالعالیہ اور ابوذر کے درمیان ارسال ہے۔ (دلائل النبوۃ)

معلوم ہوا کہ حافظ بیہقی نے صرف اپنی مذکورہ منقطع سند پر ہی کلام کیا ہے اور عن ابی العالیہ عن ابی مسلم الجذمی کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا۔

بیہقی کے کلام میں منکر کا لفظ سرے سے موجود نہیں اور سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ امام بیہقی حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے نرا ظن وتخمین ہے کیونکہ انہوں نے صرف اپنی مذکورہ سند پر ہی کلام کیا ہے''[2]

اس پورے اقتباس میں زبیر علی زئی صاحب نے ناچیز پر دو الزام لگایا ہے پھر اسی کی تفصیل پیش کی ہے یہ دونوں الزامات یہ ہیں:

(۱) بقول موصوف ہم نے یہ کہا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبدالوہاب والی سند کو منقطع قرار دیا۔

(۲) بقول موصوف ہم نے یہ کہا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے منکر بتلایا ہے۔

یہ دونوں الزامات بجائے خود اتہام وافتراء محض ہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

---

[1] ہوسکتا ہے نہیں بلکہ تصحیف ہی ہے۔ بالجزم اس کا اعتراف کرنے میں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟ کہیں اس لئے تو نہیں کہ بعض محققین ابومخلد کو ضعیف مانتے ہیں اس بنیاد پر اگر کوئی اس حدیث کی تضعیف کر کے تو ان کے سامنے خالد بن دینار کو ابومخلد کا متابع ثابت کر دیا جائے۔ بہر حال یہاں قطعی طور پر تصحیف ہی کا معاملہ ہے، لیکن ہم تفصیل میں نہیں جاتے، کیونکہ محترم نے بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کی ہے۔

[2] مقالات (۶/ ۳۹۳۔۳۹۴)

پہلے الزام کا جواب

پہلا الزام یہ ہے کہ ہم نے یہ کہا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبدالوہاب والی سند کو منقطع قرار دیا۔
جواباً عرض ہے کہ ہم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو اس کے تمام طرق کے ساتھ ایک ہی حدیث مانا ہے۔اور اسی کے مطابق اس حدیث پر محدثین کے آراء کا حوالہ دیا ہے۔چناں چہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث درج کرنے کے بعد تخریج میں ہم نے صراحت کی ہے کہ کئی ایک نے اسے منقطع روایت کیا ہے۔[1]

اسی انقطاع والی سند کے ساتھ اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اسے منقطع قرار دیا ہے۔ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی جانب سے جس سند کو مرسل و منقطع قرار دینے کی بات کہی ہے اس سے مراد یہی سند ہے۔جیسا کہ ہمارے الفاظ کے سیاق سے صاف ظاہر ہے کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے انقطاع کی بات نقل کرنے کے بعد ہم نے آگے یہ بھی کہا:

”واضح رہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے لیکن یہاں پر بیہقی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پرواہ کئے اسے منقطع قرار دیا گویا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت اصلاً منقطع ہی ہے“[2]

ذرا غور کیجئے کہ اگر امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالہ سے انقطاع سے ہماری مراد عبدالوہاب والی سند ہی ہوتی تو آگے ہمیں یہ وضاحت کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کسی اور طریق (یعنی عبدالوہاب والے طریق) کی پرواہ کئے بغیر اسے منقطع قرار دیا ہے!

نیز آگے زبیر علی زئی صاحب نے ہماری اسی وضاحت پر لکھا ہے:

”اور سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ امام بیہقی حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے نرا ظن وتخمین ہے کیونکہ انہوں نے صرف اپنی مذکورہ سند پر ہی کلام کیا ہے“ (اقتباس مذکور)[3]

---

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۵۲،۵۱)
[2] ہمارے ان الفاظ کو زبیر علی زئی صاحب نے نقل کر رکھا ہے۔اسی تحریر کا صفحہ (۱۰۳) دیکھئے۔
[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۰۴)

اللہ کے بندے! ایک پل کے لئے غور کیجئے کہ اگر ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ سے انقطاع کا فیصلہ عبدالوہاب والی سند ہی پر نقل کر دیا تھا، تو پھر سارا قصہ ہی ختم تھا! بعدازاں اس وضاحت کی مجھے کیا حاجت تھی جسے آپ نے ''نراظن وتخمین'' کہا ہے؟

الغرض یہ کہ ہمارے الفاظ کے سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی طرف سے انقطاع کا فیصلہ عبدالوہاب والی سند پر نقل نہیں کیا ہے بلکہ منقطع طریق ہی پر نقل کیا ہے البتہ اسے نقل کرنے کے بعد یہ ضرور کہا ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ یہ فیصلہ کرتے وقت دوسرے متصل طریق (یعنی عبدالوہاب والے طریق) کی پرواہ نہیں کی ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روایت اصلا امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں منقطع ہی ہے۔

رہا زبیر علی زئی صاحب کا اسے ''نراظن وتخمین'' قرار دینا تو عرض ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین آپ کی طرح اس منہج پر نہیں تھے کسی حدیث کی صرف ایک سند سامنے رکھ کر اس پر فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں بلکہ یہ ائمہ کرام حدیث پر حکم لگاتے وقت اس کے تمام طرق کو سامنے رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے بارے میں یہ ''نراظن وتخمین'' نہیں بلکہ حسن ظن اور ان کے منہج کی رعایت ہے۔

ذیل میں ایک مثال ملاحظہ ہو جس میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک روایت کو منقطع قرار دیا، باوجود اس کے کہ اس کی متصل سند انہوں نے خود روایت کر رکھی ہے چناں چہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸) نے کہا:

" وروى سفيان، وغيره، عن إسماعيل بن أمية، قال: قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم في رجل أمسك رجلا وقتل الآخر- قال: "يقتل القاتل: ويحبس الممسك"- وهذا منقطع، وروى عن أبي داود الحفري، عن سفيان، عن إسماعيل، عن نافع، عن ابن عمر، موصولا، والصواب مرسل"[1]

''سفیان وغیرہ نے اسماعیل بن امیہ کے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے (قضی

[1] معرفة السنن والآثار للبيهقي(١٢/ ٦٠) نیز دیکھیں :السنن الكبرى للبيهقي (٨/ ٩٠)

رسول اللہ ﷺ فی رجل أمسك رجلا وقتل الآخر۔قال:"يقتل القاتل : ويحبس الممسك) اور یہ منقطع ہے۔اور أبي داود الحفری، عن سفیان، عن اِسماعیل، عن نافع، عن ابن عمر کے طریق سے یہ موصولا مروی ہے ۔لیکن درست مرسل (یعنی منقطع) ہے۔''

لہذا جب امام بیہقی رحمہ اللہ موصول سند کے ہوتے ہوئے بھی مرسل ومنقطع کا حکم لگاتے ہیں تو اس میں کیا بعید ہے کہ موصول سند کی پرواہ کئے بغیر ہی انہوں نے اسے مرسل ومنقطع قرار دیا ہے۔
واضح رہے کہ عبدالوہاب والی سند کی تخریج ابویعلی نے بھی کی ہے اور ابویعلی کی سند سے بہت سی احادیث امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اس لئے کوئی بعید نہیں کہ یہ سند بھی ان کے پیش نظر ہو۔
اور چلیں یہ بھی فرض کرلیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے صرف اپنی نقل کردہ سند ہی کو دیکھ کر فیصلہ کیا ہے تو عرض ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس سند کو منقطع قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کے متن پر بھی نقد کیا ہے اور ان سے قبل ایسا ہی نقد امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔
تو اس متن کے ساتھ آپ کوئی بھی سند جوڑ دیں ہر سند کے ساتھ آنے والے اس متن پر امام بیہقی رحمہ اللہ کا نقد برقرار رہے گا۔

دوسرے الزام کا جواب

زبیر علی زئی صاحب کا دوسرا الزام یہ ہے کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے منکر بتلایا ہے۔

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ واضح کردوں کہ میں نے متن کو منکر کہنے کی بات کہی ہے میرے الفاظ ہیں: **''اور اس کے متن کو بھی منکر بتلایا ہے''** جیسا کہ اقتباس میں زبیر علی زئی صاحب نے خود نقل کیا ہے لیکن تبصرہ میں ''متن'' کا لفظ گول کر گئے کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کا نقل کردہ متن عبدالوہاب والی سند کا متن ہی ہے لہذا اس متن پر بھی امام بیہقی رحمہ اللہ کی جرح منطبق ہونا یقینی ہے۔
اس کے بعد عرض ہے کہ جس طرح منقطع کہنے والی بات کا تعلق امام بیہقی رحمہ اللہ کی نقل کردہ

روایت سے ہے جس کی وضاحت پہلے الزام کے جواب میں کی جا چکی ہے ٹھیک اسی طرح اس کے مابعد والے جملے (اوراس کے متن کو بھی منکر بتلایا ہے) کا تعلق بھی بیہقی کی روایت ہی سے ہے۔

البتہ اس جملے سے ہمارا یہ مقصود ضرور ہے کہ جب امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کے متن ہی کو منکر بتادیا تو یہ متن کسی بھی سند سے جڑ کر آئے مثلاً عبدالوہاب والی سند سے، بہرصورت اس متن پر امام بیہقی رحمہ اللہ کی جرح برقرار رہے گی۔اور یہ کہا جائے گا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت باعتبار متن منکر و باطل ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی موصول سند ذکر کرکے اس کے متن پر نقد کیا ہے تو اب کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ متن جن منقطع سندوں سے مروی ہے اس پر امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد منطبق نہیں ہوگا؟ رہا آپ کا یہ کہنا کہ:

''بیہقی کے کلام میں منکر کا لفظ سرے سے موجود نہیں'' (اقتباس مذکور) [1]

تو یہ حرف پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔کیونکہ ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ کے نقد کو معنوی طور پر نقل کیا ہے اور محدثین کے یہاں جس متن پر نقد ہو جائے اس متن کو منکر سے تعبیر کیا جانا بہت ہی معروف ومشہور ہے۔ضعفاء وموضوعات پر لکھی گئی کتابوں میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ صرف ایک مثال پیش خدمت ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے ''حشرج بن نباطہ'' کی ایک حدیث پر نقد کرتے ہوئے لکھا:

”حشرج بن نباتة،سمعت سعيد بن جمهان، عن سفينة؛ أن النبى ﷺ قال لأبى بكر، وعمر، وعثمان: هؤلاء الخلفاء بعدى۔ **وهذا لم يتابع عليه، لأن عمر بن الخطاب، وعليا، قالا:لم يستخلف النبى ﷺ**“ [2]

---

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۰۴)

[2] التاريخ الكبير للبخارى (۳/۱۱۷)،التاريخ الأوسط للبخارى، ن الرشد(۲/۱۰۴۶)،الضعفاء الصغير للبخارى ت أبى العينين(ص۵٤)، نیز دیکھئے: الفتن لنعيم بن حماد (۱/۱۰۷) رقم (۲۵۸) ، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث(۲/۶۲۱)

''حشرج بن نباتہ (نے کہا): میں نے سعید بن جمہان سے سنا، انہوں نے سفینہ سے نقل کیا، انہوں نے روایت کیا کہ: ''نبی ﷺ نے ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے کہا: یہ میرے بعد خلفاء ہیں''۔ **اس روایت میں حشرج کی متابعت نہیں کی گئی ہے، کیونکہ عمر بن الخطاب اور علی (رضی اللہ عنہما) نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ نے کسی کو بھی خلیفہ نامزد نہیں کیا''**

غور سے پڑھئے امام بخاری رحمہ اللہ نے متن پر نقد کیا ہے لیکن لفظ ''منکر'' یا اس مادہ کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵) نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ نقد نقل کرنے بعد کہا:

''وهذا الذی أنكره البخاری علی حشرج''[1]

''یہی وہ حدیث ہے جسے امام بخاری نے حشرج کی منکر حدیث کہا ہے۔''

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔؟ ظاہر ہے کہ ہر کوئی یہی کہے گا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے معنوی طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف نقل کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم نے بھی معنوی طور پر امام بیہقی رحمہ اللہ کا موقف نقل کیا ہے۔ لیکن کوئی شخص اتنی موٹی بات بھی سمجھنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے!

ابھی تک احناف یہ پٹی پڑھاتے تھے کہ قرآن وحدیث میں لفظ ''جاموس'' (بھینس) نہیں ہے، اب انہیں کی منطق زبیر علی زئی صاحب نے مستعار لے لی کہ امام بیہقی کے کلام میں ''منکر'' کا لفظ نہیں ہے۔

اور موجب حیرت یہ ہے کہ یہ ساری فلسفہ سنجی صرف ہمارے ہی خلاف ہے ورنہ اہل علم کی طرف نسبتِ اقوال کی ایسی نظیر خود موصوف کے یہاں بھی موجود ہے[2]۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کیا کیا ہے اسے بیان کرنے کے لئے علیحدہ مقالے کی ضرورت ہے۔

---

[1] الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، ت عادل وعلی (۳/۳۷۲)

[2] اسی تحریر کا صفحہ (۲۵) دیکھئے۔

چوتھا حوالہ

امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ کا موقف

چوتھا حوالہ ہم نے امام ابن القیسرانی (محمد بن طاہر المقدسی) رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر تبصرہ زبیر علی زئی صاحب نے چوتھے نمبر پر ہی کیا ہے[1]۔

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''۴) سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷ھ) نے ابن عدی کے حوالے سے اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا:

لم یذکر علیه کلاما. وأورده فی ذکر أبی العالیة، وکأنه استنکره، فذکره.

امام ابن عدی نے اس پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور ابوالعالیہ کے تذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے گویا کہ آپ نے اسے منکر مان کر ذکر کیا ہے۔[الذخیرة فی الأحادیث الضعیفة و الموضوعة:۔ ۱/ ۵٤۰]۔ (سنابلی تحریر ص۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن عدی نے یزید والی حدیث پر کوئی کلام نہیں کیا، لہذا سنابلی صاحب کا ابن عدی کو اس حدیث کے جارحین میں ذکر کرنا دروغ بے فروغ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقرہ سابقہ ا''[2]

امام ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالے تحت تفصیل گذر چکی ہے۔ اسی حوالہ پر زبیر علی زئی صاحب نے فقرہ نمبر ا کے تحت تفصیل پیش کی ہے اور ان کی تفصیل کا تفصیلی جائزہ ہم پیش کر چکے ہیں۔[3]

اس کی طرف مراجعت سے قارئین کو معلوم ہوگا کہ ہم نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف پر استدلال، خاص حدیثِ یزید پر ان کے کسی خاص کلام سے نہیں بلکہ ان کی کتاب ''الکامل'' میں

---

1. اور اس کے بعد دیگر حوالوں پر تبصرے بھی ہماری ترتیب کے موافق ہیں۔
2. مقالات (۶/ ۳۹۸۔۳۹۹)
3. دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۵۱ تا ۱۰۲)

ان کے منہج سے کیا ہے۔اس کتاب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ منہج اپنایا ہے کہ مترجم راوی کی منکر احادیث ذکر کریں گے، **اس بات کی صراحت خود امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کی ہے**[1]۔ اور دیگر محدثین نے بھی یہی وضاحت کی ہے[2]۔اور زبیر علی زئی صاحب بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں[3] لیکن قارئین کو چکما دینے کے لئے یہ رٹ لگارہے ہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے حدیثِ یزید پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا۔

زبیر علی زئی صاحب کے یہاں یہ نمایاں اصول ہے کہ اپنے مخالف کی بات کا جواب نہ بن پڑے تو اس کی بات کا مفہوم ہی بدل دو، پھر بڑی آسانی سے اس کا جواب پیش کردو۔اگر علمی جرأت اور امانت ودیانت کا ذرا بھی پاس ولحاظ ہے تو اپنے مخالف کا اصل موقف پیش کریں اور اس کا جواب دیں۔

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''رہا کأنہ یعنی گویا کہ سے استدلال تو یہ اسی طرح کا اعجوبہ ہے، جیسا کہ خبیب احمد فیصل آبادی نے لکھا:

''مزید برآں امام احمد رحمہ اللہ کے قول میں نہیں جانتا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سبھی مدلسین سے یکساں سلوک نہیں کیا جائے گا'' (مقالات اثریہ ص ۲۲۰)

سبحان اللہ ! (تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: ۶ ص ۲۴،۲۳)''[4]

''کأنہ'' پر تو آگے بات آرہی ہے لیکن یہاں آپ نے ''اسی طرح'' کہہ کر جس حوالہ کا ذکر کیا اس کا ہمارے ذکر کردہ حوالے سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔معلوم نہیں کس عقل ومنطق سے آپ نے ان دو مختلف حوالوں کو ایک جیسا سمجھ لیا! اس کی کوئی مضحکہ خیز وضاحت آپ ہی کرسکتے ہیں۔

---

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۵۶)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۵۶-۵۷)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۵۴)

[4] مقالات (۶/۳۹۹)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آں جناب اوران کے اعوان وانصار نے شیخ خبیب حفظہ اللہ کی طرف جس اعجوبگی کو منسوب کیا ہے اس کی حقیقت بھی واضح کردی جائے تا کہ قارئین کو اصل ''عجائب گھر'' کا پتہ معلوم ہو جائے۔

ضرب حق کا محولہ شمارہ ہم نے دیکھ لیا ہے، زبیر علی زئی صاحب اوران کے اعوان وانصار کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جب امام احمد رحمہ اللہ نے یہ کہہ دیا کہ ''مجھے نہیں معلوم'' تو اس سے کوئی چیز معلوم کیسے ہوگئی؟

عقلمندو! ذرا یہ بتاؤ! کہ کیا شیخ خبیب حفظہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھے گئے سوال کا کوئی جواب نفیا یا اثباتا امام احمد کی طرف منسوب کردیا ہے یا مطلق سوال پر امام احمد رحمہ اللہ کے جواب نہ دینے کی بنا پر مدلس کے عنعنہ سے متعلق ایک اصول ومنہج کا استنباط کیا ہے؟

قارئین! مقالات اثریہ کی طرف رجوع کریں تو وہاں پر شیخ خبیب حفظہ اللہ کی وضاحت کا ماحصل یہ ہے امام احمد رحمہ اللہ سے معروف بالتدلیس راوی کے عنعنہ سے متعلق کلی قاعدہ دریافت کرنے کی غرض سے سوال ہوا جس کے جواب میں امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم'' یعنی امام احمد رحمہ اللہ نے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بتلایا ہے۔

یہاں شیخ خبیب حفظہ اللہ نے نفیا (عنعنہ مردود ہوگا) یا اثباتا (عنعنہ مقبول ہوگا) کوئی جواب امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ مدلس کے عنعنہ سے متعلق علی الاطلاق کوئی بات نہ کہنے سے یہ مستنبط کیا ہے کہ ہر مدلس کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ عام حالات میں بعض مدلسین کا عنعنہ قبول کرتے ہیں جیسا کہ اعمش کے عنعنہ سے متعلق ان کا موقف ہے جس کی وضاحت شیخ خبیب حفظہ اللہ نے کی ہے اور بعض مدلسین کا عنعنہ رد کردیتے ہیں جیسے ابن جریج کا عنعنہ۔ [1]

---

[1] العلل و معرفة الرجال (۲/ ۵۵۱)، تهذيب الكمال للمزی، ت بشار (۱۸/ ۳۴۸)، نیز دیکھیں: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۵۰۷)۔

اب آتے ہیں ''کأنہ'' سے استدال کی طرف۔تو آیئے ہم زبیرعلی زئی صاحب کوآئینہ دکھا دیں ،موصوف ترک ِرفع الیدین سے متعلق ایک روایت کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام احمد نے **گویا اس کا انکار کیا ہے۔**[المسائل لاحمد ج اص ۳۴۳]''[1]

زبیرعلی زئی صاحب نے جن عربی الفاظ کا ترجمہ تحریر کیا ہے وہ الفاظ ماقبل کے سیاق کے ساتھ یہ ہیں:

"قال أبي ولم يروه عن عاصم غير أبي بكر النهشلي أعلمه **كأنه أنكره**"[2]

''(امام احمد کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں)''میرے والد(امام احمد) نے کہا:اس روایت کو عاصم سے ابوبکرالنہشلی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے جہاں تک میں جانتا ہوں۔

(امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے کہا) **گویا کہ آپ(امام احمد) نے اسے منکر قرار دیا ہے۔**''

ملاحظہ فرمایئے یہاں امام عبداللہ رحمہ اللہ نے ایک روایت سے متعلق اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ''کأنہ'' کے ذریعہ بیان کیا تو زبیرعلی زئی صاحب نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں بلکہ مخالفین کے خلاف اسے بطور حجت پیش کررہے ہیں۔

لیکن ٹھیک ''کأنہ''ہی کے ذریعہ امام ابن القسیرانی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف بیان کیا اورہم نے اسے نقل کردیا تو زبیرعلی زئی صاحب کی نظر میں یہ اعجوبہ بن گیا! سبحان اللہ!

اگر یہی حرکت کسی اورنے کی ہوتی تو زبیرعلی زئی صاحب بلا جھجک اس پر دوغلی پالیسی کا الزام جڑ دیتے۔

---

[1] نورالعینین فی اثبات رفع الیدین:ص ۱۶۵۔زبیرعلی زئی صاحب کے یہاں'' کأنہ'' سے استدلال کا ایک اورنمونہ دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں:مقالات(۳/۵۱۰)۔نیز مجلّہ الحدیث ۳۹،ص ۳۰۔

[2] المسائل لأحمد، رواية عبدالله ، بتحقيق دكتورعلى سليمان المهنا(۱/۲٤۳) ۔زبیرعلی زئی صاحب نے اگراسی نسخہ کا حوالہ دیا ہے تو ان کے حوالے میں سیکڑے کے مقام پر(۲) کی جگہ(۳) کمپوزنگ کی غلطی ہے،واللہ اعلم۔نیز دیکھیں:المسائل لأحمد، رواية عبد الله، بتحقيق زهيرالشاويش(ص ۷٤)

بہر حال ''کـأنـہ'' کے الفاظ کے ذریعہ ائمہ حدیث کے اقوال وخیالات کی تشریح وتوضیح کرنا، اور دیگر محدثین واہل علم کا اسے حجت گردانا، اوراس سے استدلال کرنا، بہت ہی معروف ومشہور بات ہے۔ کتب محدثین سے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن چونکہ زبیرعلی زئی صاحب نے دوسرے مقام پر خود ہی اس طرح کے الفاظ سے استدلال کررکھا ہے اس لئے ہم آئینہ دکھانے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

ابن القیسرانی رحمہ اللہ کی کتاب کا نام

ہم نے اس کتاب کا حوالہ ''الذخيرة في الأحاديث الضعيفة والموضوعة'' نام سے دیا تھا اس پر زبیرعلی زئی صاحب نے تنبیہ بلیغ کرتے ہوئے یہ دعوی کیا:

''ابن القیسرانی یعنی محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب کا نام ''الذخیرۃ فی الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' نہیں بلکہ ''ذخیر الحفاظ المخرج علی الحروف والالفاظ'' ہے'' [1]

عرض ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ اس کتاب کا نام ''**ذخيـر الحفاظ المخرج علـى الحروف والالفاظ**'' ہے لیکن اس کا ایک نام ''**الـذخيـرة في الأحاديث الضعيفة والـمـوضـوعة**'' بھی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے فاضل محقق دکتور عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی حفظہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ [2]

ہم نے حوالہ دیتے وقت یہی نام ذکر کیا کیونکہ محترم محقق نے اس کتاب کے مخطوطہ سے پہلے صفحۃ کا جو عکس دیا ہے اس پر یہ نام نمایاں اور بڑے حروف میں درج ہے۔ [3]

نیز یہی نام اس کتاب کے اندر مذکور احادیث سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے چناں چہ اس کتاب کے محقق دکتور عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''وهـذا الاسـم مـطابق لمايشتمل عليه هذا الكتاب لأن معظم مادة

[1] مقالات (۶/۳۹۹)

[2] الذخیرہ (مقدمة التحقيق) : (ص ۱۷۱)

[3] الذخیرہ (مقدمة التحقيق) : (ص ۱۸۳)

الکتاب من الأحادیث الموضوعة ،والضعیفة ،والمعلولة"[1]

"یہ نام اس کتاب کے مشمولات کے مطابق ہے کیونکہ اس کتاب کا اکثر حصہ، موضوع ،ضعیف اور معلول احادیث پر مشتمل ہے"

لہذا اس دوسرے نام کو غلط کہنا محل نظر ہے۔زبیر علی زئی صاحب نے اس کے غلط ہونے کے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے:

پہلی دلیل:۔ لکھتے ہیں:

"جیسا کہ خود ابن طاہر نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔(دیکھئے منتخب المشور من الحکایات والسوالات ص ۱۹۱)"[2]

یہ نام واقعی ابن طاہر رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اس کا کوئی واضح ثبوت آپ نے پیش نہیں کیا ہے۔آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ابن القیسرانی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب "منتخب المشور" کے محقق کی تقلید میں لکھا ہے۔کیونکہ اس محقق نے الذخیرہ کے ایک مخطوطہ سے پہلا صفحہ پیش کر کے کہا ہے کہ یہ ابن طاہر رحمہ اللہ کا خط ہے۔لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ ابن طاہر رحمہ اللہ کا خط ہے؟اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔ہوسکتا ہے محقق مذکور کے پاس دلیل موجود ہو اور صحیح بھی ہو،لیکن انہوں نے اس کی دلیل ذکر نہیں کی،بس دعوی پیش کیا ہے۔

بالفرض مان لیں کہ ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے یہی نام لکھا ہے تو اس سے دوسرے نام کا غلط ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ممکن ہے انہوں نے بعد میں ہمارا ذکر کردہ نام بھی املا کرادیا ہو۔

دوسری دلیل:۔ لکھتے ہیں:

"نیز متعدد علماء مثلا حافظ ذہبی ،ابن حجر،عراقی اور ابن ناصرالدین وغیرہم نے یہی نام ذکر کیا ہے"[3]

ان اہل علم میں ذہبی رحمہ اللہ نے کہاں یہ نام ذکر کیا ہے میں تلاش نہیں کرسکا اور موصوف نے

---

(1) الذخیرہ(مقدمة التحقیق) : (ص ۱۷۱)
(2) مقالات(۶/۳۹۹)
(3) مقالات(۶/۳۹۹)

حوالہ نہیں دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں مختصراً صرف ''الذخیرة'' لکھا ہے۔ اور یہ ہمارے ذکر کردہ نام کا بھی اختصار ہوسکتا ہے۔ اور عراقی رحمہ اللہ اور ابن ناصر رحمہ اللہ نے ''ذخیرۃ الحفاظ'' کے نام سے ذکر کیا ہے اور یہ بھی اس کتاب کا نام ہے اس سے کس کو انکار ہے۔

موصوف تائید مزید پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ذخیرۃ الحفاظ میں صحیح احادیث بھی موجود ہیں، مثلاً۔۔۔ (پھر دو مثال پیش کر کے موصوف نے آگے لکھا)۔۔۔ خود صوفی محمد بن طاہر المقدسی نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کی کتاب میں ''أحادیث صحیحة المتون ، غریبة الإسناد'' اور ''صحیح الإسناد ، منکر المتن'' روایات بھی موجود ہیں'' (ذخیرۃ الحفاظ، شروع ۱/۱۸۹)[1]

یہ بھی عجیب وغریب فلسفہ ہے۔ بھلا ضعیف وموضوع احادیث کے مجموعے میں چند صحیح احادیث ہونے کا یہ مطلب کیسے ہوسکتا ہے کہ اس مجموعہ کا نام ''الضعیفہ والموضوعہ'' نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس مجموعہ کی اکثر احادیث کا ضعیف ومنکر یا موضوع ہونا اسی نام کے موافق ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے فاضل محقق نے بھی یہی بات کہی ہے کما مضیٰ۔

اور لطف یہ ہے کہ بطور مثال جن دو صحیح احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں تصحیح مؤلف ابن القیسرانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے نہیں بلکہ اپنی یا دیگر اہل علم کی تحقیق سے پیش کی گئی ہے۔[2]

اس کمی کا احساس شاید موصوف کو بھی تھا اس لئے ان دو احادیث میں سے ایک (حدیث عاشوراء) سے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ ابن طاہر القیسرانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''وھو الصحیح'' کہا ہے، لکھتے ہیں:

''ایک دوسری روایت کے مقابلہ میں ابن طاہر نے اسے ''وھو الصحیح'' کہا (ذخیرۃ الحفاظ ۴/ ۱۸۷۷ ح ۴۳۰۰)''[3]

---

[1] مقالات (۶/ ۳۹۹-۴۰۰)

[2] موصوف نے دو احادیث (حدیث عاشوراء اور حدیث مزود) کا حوالہ دیا ہے۔ اور ان دونوں پر گذشتہ صفحات میں بھی بات ہوچکی ہے۔

[3] مقالات (۶/ ۳۹۹)

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے ابن القیسر انی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نہیں بلکہ اس حدیث کی سند کے ایک ٹکڑے کی کیفیت (عبداللہ بن معبد عن أبی قتادة) کو دوسری کیفیت (عبداللہ بن معبد عن عمر بن الخطاب) کے مقابلہ میں صحیح کہا ہے۔[1]

ظاہر ہے کہ سند کے کسی ایک ٹکڑے کی کیفیت کو صحیح کہہ دینے سے حدیث کی یا اس کی پوری سند کی تصحیح لازم نہیں آتی۔

بالفرض تسلیم کرلیں کہ یہ دونوں احادیث ابن طاہر رحمہ اللہ کی نظر میں صحیح ہیں تو ماقبل میں ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کتاب میں چند صحیح احادیث ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا ہے کہ اس مجموعہ کا نام ''الضعیفہ والموضوعہ'' غلط ہے۔

لطیفہ:۔ زبیر علی زئی صاحب نے ہمارے ذکر کردہ نام کو غلط قرار دیا تو ان کے ایک اندھے مقلد نے کہا کہ ''کفایت اللہ نے مکتبہ شاملہ پر آنکھ بند کر کے اعتماد کیا اس لئے اسے یہ غلطی لگی''۔

اس بدنصیب کو کون بتائے کہ شاملہ والوں نے اس کتاب کو اسی نام سے پیش کیا ہے جس نام کو زبیر علی زئی صاحب نے درست قرار دیا ہے۔ اور ہم نے جو نام ذکر کیا ہے وہ مخطوطے میں اور مطبوعہ نسخے میں ہے۔

زبیر علی زئی صاحب اس حوالہ پر اپنی گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ ابن طاہر نے حدیث مذکور کو نہ موضوع، من گھڑت لکھا ہے اور نہ منکر قرار دیا ہے، لہٰذا کائنہ سے استدلال مردود ہے۔''[2]

''موضوع'' اور ''من گھڑت'' کہنے کی بات تو ہم نے بھی ابن القیسر انی رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کی ہے البتہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے جو کچھ لکھا تھا اسے حرف بحرف نقل کیا ہے۔ اور اس میں اس بات کا اشارہ موجود ہے کہ یہ روایت امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں بھی منکر و مردود ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور ''کائنہ'' پر تفصیل گذر چکی ہے۔

---

[1] الذخیرة (ص ۱۸۷۷)

[2] مقالات (۶/۴۰۰)

پانچواں حوالہ

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا موقف

پانچواں حوالہ ہم نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ)، نے اسے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، دیکھئے: [البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۳۱]۔'' (سنابلی تحریر ص ۴)

عرض ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ہرگز موضوع اور من گھڑت نہیں قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے صرف یہ لکھا ہے:

"وقد أورد ابن عساکر أحادیث فی ذم یزید بن معاویة کلها موضوعة لا یصح شیء منها .وأجود ما ورد ما ذکرناه علی ضعف أسانیده وانقطاع بعضه.والله اعلم."

اور ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں احادیث بیان کیں، وہ ساری موضوع ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں اور سب سے جید (اچھی) روایتیں وہی ہیں جو ہم نے ذکر کر دیں، ان کی سندیں ضعیف ہیں اور بعض منقطع ہیں۔ واللہ اعلم (البدایہ والنہایۃ ۸/ ۳۲۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ '' کلها موضوعة '' سے وہ روایتیں مراد نہیں ہیں جو ابن کثیر نے اس عبارت سے پہلے درج کی ہیں، مثلاً حدیث یزید بن ابی سفیان اور حدیث [1] یکون خلف من بعدستین سنه أضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشهوات وغیرهما۔'' [2]

---

[1] یہ (ستین) سن ساٹھ والی روایت امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول ''ماذکرناه'' میں شامل نہیں کیونکہ یہاں بات ان احادیث کی ہو رہی ہے جو ذمِ یزید میں ہیں۔ اور یہ حدیث ذمِ یزید میں ہرگز نہیں ہے جیسا کہ اصل کتاب میں آگے وضاحت آرہی ہے۔

نیز غور کریں کہ '' ماذکرناه'' والی روایات کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے منقطع یا ضعیف کہا ہے۔ اور اس انقطاع اور ضعف کی وضاحت ماقبل میں کر چکے ہیں۔ لیکن (ستین) سن ساٹھ والی روایت پر ماقبل میں کوئی کلام نہیں کیا ہے۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ یہاں بات صرف ان احادیث کی ہو رہی ہے جو ذمِ یزید میں ہیں۔ ذمِ یزید کا کیا مطلب ہے؟ یہ اصل کتاب میں آگے پڑھیں۔

[2] مقالات (۶/ ۴۰۰)

سب سے پہلے دو چیزیں واضح کردی جائیں۔

(۱) ذمِ یزید والی حدیث کا مفہوم

(۲) تاریخ ابن عساکر میں ذمِ یزید میں مروی احادیث کی تعداد

❀ اولا: ذمِ یزید والی حدیث کا مفہوم

جب کسی خاص شخص کی مذمت میں مروی حدیث کا حوالہ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس خاص شخص کی صراحت کے ساتھ اس کی مذمت میں کوئی حدیث وارد ہے۔ مثلا جب یہ کہا جائے کہ یزید کی مذمت میں کوئی حدیث وارد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی حدیث جس میں یزید کے صراحتا ذکر کے ساتھ یزید کی مذمت وارد ہے۔

اور جن جن احادیث میں صراحت کے ساتھ یزید کی مذمت وارد ہے بے شک وہ تمام احادیث موضوع ومن گھڑت ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱) فرماتے ہیں:

"کل حدیث فیه ذم یزید فکذب"[1]

''ہر وہ حدیث جس میں یزید کی مذمت ہے وہ جھوٹی ہے''

ملا علی القاری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱۴) فرماتے ہیں:

"من ذلك ما وضعه الكذابون فى مناقب أبى حنيفة والشافعى على التنصيص على اسميهما وكذا ما وضعه الكذابون أيضا فى ذمهما ومن ذلك الأحاديث فى ذم معاوية وذم عمرو بن العاص وذم بنى أمية ومدح المنصور والسفاح و**كذا ذم يزيد**"[2]

انہیں موضوع احادیث میں سے وہ احادیث بھی ہیں، جنہیں کذابوں (جھوٹوں) نے

---

[1] المنار المنیف فی الصحیح والضعیف: ص۷۹ بتحقیق علامه المعلمی رحمہ اللہ

[2] الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة (ص ٤٥٥) الطبعة الثانية، المكتب الاسلامی

ابوحنیفہ اور شافعی کے مناقب میں ان کے نام کی صراحت کے ساتھ گھڑی ہیں، اسی طرح وہ احادیث جنہیں جھوٹوں نے ان دونوں کی مذمت میں گھڑی ہیں۔ نیز انہیں احادیث میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو معاویہ، عمرو بن العاص اور بنوامیہ کی مذمت اور المنصور اور السفاح کی مدح، **اسی طرح یزید کی مذمت میں گھڑی گئی ہیں**۔

امام ابن القیم اور ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہما کے اس کلام میں ذمِ یزید سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یزید کی مذمت وارد ہے[1]۔ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذمِ یزید سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مراد بھی وہی احادیث ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یزید کی مذمت وارد ہے۔

بعض لوگ صحیح بخاری ودیگر کتب احادیث کی کچھ عام صحیح احادیث پیش کر کے ان سے بلاوجہ یزید کی مذمت کشید کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امام ابن القیم اور ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہما کی مراد اس طرح کی

---

[1] اور انہیں احادیث میں سے زیر بحث ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ ممکن ہے زبیر علی زئی صاحب کہیں کہ امام ابن القیم اور ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہما نے ان کی پیش کردہ عبدالوہاب کی سند والی حدیث کو من گھڑت نہیں کہا ہے۔ تو عرض ہے کہ ترک رفع الیدین سے متعلق ”ثم لایعود“ والی احادیث کے بارے میں محمد بن وضاح نے ”ضعیفة کلها“ کہا [التمہید: ۹/ ۲۲۱] تو زبیر علی زئی صاحب نے ترک رفع الیدین سے متعلق حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی محمد بن وضاح کی نظر میں ضعیف بتلایا۔ [نور العینین: جدید ایڈیشن: ص ۱۳۳، ص ۴۱۹]

اور اس پر اعتراض کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا:

”اگر کوئی کہے کہ محمد بن وضاح نے صرف ”ثم لایعود“ کے الفاظ والی روایات کو ضعیف کہا تھا، دوسری روایات کو نہیں تو عرض ہے کہ ابن وضاح سے کسی ایک ایسی روایت کی تصحیح یا تحسین نقل کر دیں جس سے ترک رفع الیدین ثابت ہوتا ہو۔!“ [نور العینین: جدید ایڈیشن: ص ۴۱۹]

ہم بھی کہیں گے کہ امام ابن القیم اور ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہما سے کسی ایک ایسی روایت کی تصحیح یا تحسین نقل کر دیں جس سے یزید کی مذمت ثابت ہوتی ہو۔!“

اللہ کا فضل دیکھئے کہ زبیر علی زئی صاحب، ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالہ کا انکار کر رہے تھے اور اب تو اسی طرح کے دو حوالے اور مل گئے والحمدللہ۔

احادیث قطعاً نہیں ہیں کیونکہ ان احادیث کو یزید کی مذمت میں وارد احادیث ہرگز نہیں کہا جائے گا۔

لہٰذا امام ابن القیم اور ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہما کی مراد فقط وہ احادیث ہیں جن میں صراحتاً یزید کی مذمت وارد ہے اور یہی مقصود امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام کا بھی ہے۔

❁ تاریخ ابن عساکر میں ذمِ یزید میں مروی احادیث کی تعداد

اب تاریخ ابن عساکر دیکھئے اسی طرح مختصر تاریخ ابن عساکر دیکھئے اس پوری کتاب میں اول تا اخیر ذمِ یزید میں بس وہی دو ہی احادیث ہیں جن کا ذکر ابن کثیر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ یعنی ایک ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ والی اور دوسری ابوذر رضی اللہ عنہ والی۔

اب بتائے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی مراد یہ احادیث نہیں ہیں تو پھر کون سی احادیث ہیں؟ تاریخ ابن عساکر میں تو ان دونوں احادیث کے علاوہ کوئی اور حدیث، ذمِ یزید میں موجود ہی نہیں ہے۔

اس لئے ظاہر ہے کہ تاریخ ابن عساکر والی جن احادیث کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے موضوع کہا ہے وہ یہی احادیث ہیں۔

رہا ابن کثیر رحمہ اللہ کا ذمِ یزید میں مروی تاریخ ابن عساکر والی احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دینے کے بعد یہ فرمانا:

"وأجود ما ورد ما ذكرناه على ضعف أسانيده وانقطاع بعضه"[1]

"اور سب سے بہتر وہ احادیث ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے لیکن ان کی سندیں بھی ضعیف ہیں اور بعض منقطع ہیں"

تو ممکن ہے کہ آپ نے یہ بات محض سند کے اعتبار سے کہی ہو۔ لیکن معنوی طور پر یہی احادیث امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی نظر میں موضوع اور من گھڑت ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۸/۲۳۱، مکتبہ المعارف

یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ استثنائی عبارت ہو جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب کے کلام کا مقصود ہے لیکن ایسی صورت میں معاملہ یہ ہوسکتا ہے کہ تاریخ ابن عساکر کے مطالعہ کے وقت امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے معنوی طور پر ذمِ یزید والی احادیث پر موضوع اور من گھڑت ہی کا فیصلہ کیا ۔

لیکن البدایہ والنہایہ میں یہ روایات درج کرتے وقت صرف ان کی سندوں کو پیش نظر رکھ کر حکم لگایا اور تاریخ ابن عساکر کے مطالعہ کے وقت جو نتیجہ ذہن میں تھا اس کے مطابق ابن عساکر والی روایات کا موضوع اور من گھڑت ہونا بتلایا۔

لیکن ان پر یہ بات مخفی رہ گئی کہ ابن عساکر رحمہ اللہ کے یہاں بھی صرف یہی دو احادیث ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث کے لئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کا حوالہ نہیں دیا ہے حالانکہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

کوئی بھی صورت مانیں بہرصورت یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جن احادیث کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے سند کے اعتبار سے ضعیف ومنقطع بتلایا ہے یہ عین وہی احادیث ہیں جو ابن عساکر کے یہاں موجود ہیں۔لہٰذا ان کی طرف سے موضوع قرار دی گئی احادیث سے بھی یہی احادیث مراد ہیں، اور موضوع کا حکم امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے متن کے اعتبار سے لگایا ہے۔

علاوہ ازیں ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی وہ جرح برضاء ورغبت نقل کی ہے جس کی رو سے یہ حدیث من گھڑت معلوم ہوتی ہے ۔اور اس کی تفصیل امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے کے تحت گذر چکی ہے۔ [1]

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف ومردود قرار دیا ہے اور متن کے اعتبار سے اسے موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔امام ابن کثیر رحمہ اللہ

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۲۲-۲۴)

کا یہ فیصلہ یقیناً حق اور عدل وانصاف پر مبنی ہے، لیکن زبیر علی زئی صاحب امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس فیصلہ کو بے وزن باور کرانے پر اُتارو ہیں، فرماتے ہیں:

''حافظ ابن کثیر یزید بن معاویہ کی بحث میں مذکورہ عبارت سے پہلے یہ حدیث بھی لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ساٹھ سال کے بعد ایسے (نا) خلف ہوں گے جو نماز ضائع کردیں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے، یہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔(بحوالہ مسند احمد ۳/ ۳۸۔۳۹، البدایہ والنہایہ ۸/۳۲۴)
اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے ابن حبان (۷۵۵) حاکم (۲/ ۳۷۴، ۴/ ۵۴۷) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔''[1]

مذکورہ عبارت سے پہلے ابن کثیر رحمہ اللہ یہ حدیث ضرور لائے ہیں، لیکن مذکورہ عبارت میں ''ماذکرناہ'' کے ذریعہ ماقبل میں ذکر کردہ جن احادیث کی طرف امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور ان پر جرح کی ہے۔ان میں یہ صحیح حدیث قطعا شامل نہیں[2] کیونکہ ابن کثیر رحمہ اللہ خاص ذمِ یزید والی احادیث پر بات کررہے ہیں اور ان پر جرح کررہے ہیں اور یہ حدیث ذمِ یزید میں نہیں ہے۔جیسا کہ مفصل وضاحت آرہی ہے۔[3]

زبیر علی زئی صاحب، ابن کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے قبل اس حدیث کے مذکور ہونے کی نشاندہی کرکے، پھر اسے صحیح قرار دے کر، گویا بین السطور میں قارئین سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھو! ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت سے قبل مذکور جن احادیث پر جرح کی ہے ان میں یہ صحیح حدیث بھی ہے۔لہٰذا جس طرح اس صحیح حدیث پر جرح کرنے میں ان سے چوک ہوئی ہے اسی طرح یزید والی حدیث پر بھی ان کی جرح مبنی برتساہل ہے۔

---

[1] مقالات (۶/ ۴۰۰-۴۰۱)

[2] یوں تو مذکورہ عبارت سے قبل امام ابن کثیر کی اس پوری کتاب کا نصف سے زائد حصہ موجود ہے تو کیا یہ کہہ دیا جائے اس پورے حصہ میں موجود احادیث کے بارے میں امام ابن کثیر نے مذکورہ بات کہی ہے؟

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۲۵ تا ۱۲۷) اور ذمِ یزید والی حدیث کیا کیا مفہوم ہوتا ہے یہ ماقبل میں بتایا جاچکا ہے دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (۱۱۹ تا ۱۲۱)

حالانکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "ما ذکرناہ" میں صرف ذمِ یزید والی احادیث مراد لی ہے اور سن ساٹھ والی حدیث ذمِ یزید میں ہے ہی نہیں جیسا کہ وضاحت آرہی ہے۔[1]

سن ساٹھ والی اسی حدیث سے متعلق موصوف آگے فرماتے ہیں:

"یہ وہ حدیث ہے جسے ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور تاریخ دمشق (مطبوع) سے رہ گئی ہے۔ (دیکھئے مختصر تاریخ دمشق لابن منظور ۲۸/ ۲۷)"[2]

یہاں زبیر علی زئی صاحب غالباً یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ ابن عساکر (رحمہ اللہ) نے ذمِ یزید میں جتنی احادیث ذکر کی ہے سب موضوع ومن گھڑت ہیں[3]۔ تو یہ بات درست نہیں کیونکہ سن ساٹھ والی حدیث کو بھی ابن عساکر رحمہ اللہ نے یزید کی مذمت میں نقل کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔

عرض ہے کہ ذمِ یزید والی حدیث کا مفہوم سابقہ سطور میں واضح کیا جاچکا ہے[4]۔ اور یہ حدیث ذمِ یزید میں نہیں ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔[5]

لہٰذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ قول اپنی جگہ پر بالکل برحق وصواب ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ذمِ یزید میں جتنی احادیث نقل کی ہیں، سب موضوع اور من گھڑت ہیں ان میں سے کچھ بھی صحیح نہیں۔

آگے آں جناب اہل کوفہ کی سبائی ترنگ میں فرماتے ہیں:

"اس صحیح حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہنے والا بہت بڑا کذاب اور ناصبی ہے۔"[6]

اس حدیث کو ہم نے موضوع ومن گھڑت ہرگز نہیں کہا ہے جو شخص یہ کہے کہ ہم نے اسے موضوع ومن گھڑت کہا ہے وہ خود بہت بڑا سبائی، کذاب اور دجال ہے۔

---

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۲۵ تا ۱۲۷)

[2] مقالات (۶/ ۴۰۱)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۲۷) حاشیہ (۲)

[4] دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (۱۱۹ تا ۱۲۱)

[5] دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (۱۲۵ تا ۱۲۷)

[6] مقالات (۶/ ۴۰۱)

یہ حدیث بے شک صحیح ہے لیکن یہ حدیث ذمِ یزید میں نہیں ہے۔ بلکہ کسی بھی خاص شخص کی مذمت میں نہیں ہے ۔

رہی بات یہ کہ اس حدیث میں جب یزید کی مذمت نہیں ہے تو پھر یزید کے تذکرہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے یا ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس حدیث کا ذکر کیوں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ترک صلاۃ (نماز چھوڑنے) وغیرہ کی بات ہے اور یہی باتیں جھوٹی روایات میں یزید کی طرف منسوب کردی گئی ہیں اس لئے یزید کے تذکرہ میں یہ حدیث ذکر کردی گئی ہے۔

چناں چہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے پہلے یزید کی طرف ترک صلاۃ وغیرہ کی باتیں منسوب کی ہیں پھر اس کے فورا بعد ہی سن ساٹھ والی حدیث پیش کی ہے۔ [1]

لیکن اس حدیث کو یزید بن معاویہ پرفٹ کرنا قطعا صحیح نہیں ہے اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

❁ اولاً:- اس حدیث میں یزید کا نام نہیں ہے بلکہ کسی بھی خاص فرد کا نام نہیں ہے۔اس

---

[1] امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

”وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة وكان فيه أيضا إقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات فى بعض الأوقات وإماتتها فى غالب الأوقات وقد قال الامام أحمد حدثنا أبو عبد الرحمن ثنا حيوة حدثنى بشير بن أبى عمرو الخولانى أن الوليد بن قيس حدثه أنه سمع أبا سعيد الخدرى يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول **يكون خلف من بعد ستين سنة أضاعوا الصلاة واتبعوا الشهوات۔۔۔**“[البداية والنهاية، مكتبة المعارف(۸/ ۲۳۰)]

ابن عساکر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

”وقد كان يزيد فيه خصاله محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأى فى الملك، وكان حسن المعاشرة۔ **وكان فيه أيضاً إقبال على الشهوات، وترك بعض الصلاة فى بعض الأوقات** ۔عن أبى سعيد الخدرى قال:سمعت رسول الله ﷺ يقول: **يكون خلف بعد ستين سنة :أضاعوا الصَّلاةَ واتَّبعُوا الشَّهَواتِ**۔۔۔الخ“[مختصر تاريخ دمشق (۲۸/ ۲۷)]

لئے یہ حدیث ذمِ یزید میں ہرگز نہیں ہے۔ نیز یزید سے متعلق ترک صلاۃ (نماز چھوڑنے) وغیرہ کی بات ثابت بھی نہیں ہے [1]۔ اس لئے اسے یزید پر فٹ کرنا بے بنیاد ہے۔

❁ ثانیاً:- یزید بن معاویہ کے بارے میں صحیح شہادت موجود ہے کہ وہ نماز کے پابند تھے، جیسا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے اپنی چشم دید گواہی پیش کی ہے یہ بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے [2]۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں سے کوئی بھی مراد ہو، لیکن یزید مراد نہیں ہوسکتے۔

❁ ثالثاً:- اس حدیث میں مستقبل کی خبر ہے اس لئے اس میں مذکور ''ساٹھ سال کے بعد'' سے ''سن ساٹھ ہجری کے بعد'' کا سال مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ہجری سال کا رواج تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوا ہی نہیں بلکہ اس کا رواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صحابہ میں ہوا [3]۔ اس لئے اس سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ سال مراد ہے اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن ستر ہجری کے بعد کا دور ہوگا اور اس دور سے پہلے ہی یزید بن معاویہ وفات پا گئے تھے اس لئے یزید اس حدیث کے مصداق کسی صورت نہیں ہوسکتے۔

❁ رابعاً: اس حدیث میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے انہیں جہنمی کہا گیا ہے۔ اور یزید بن معاویہ اس لشکر کے امیر تھے جس لشکر کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مغفور لہم'' یعنی جنتی کہا گیا ہے۔ [4]

چناں چہ خود امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

''كانت وفاته وهو محاصر القسطنطينية مع يزيد بن معاوية وهو أول جيش غزاها وهم، مبشرون بالجنة والمغفرة'' [5]

---

[1] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۳۳ تا ۷۴۳)

[2] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰۴ تا ۷۳۰)

[3] دیکھئے: صحيح بخاری رقم (٣٩٣٤)، فتح الباری (٢٦٧/٧، ٢٦٨)

[4] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۵۶۰ تا ۶۲۵)

[5] جامع المسانيد والسنن لابن كثير (٣٩/٩)

''ان (ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ وہ یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اور یہ پہلا لشکر تھا جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا، اور اس لشکر والے جنت اور مغفرت کی بشارت یافتہ ہیں''

نیز امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی ''**مغفور لھم**'' والی ایک روایت کی تشریح کرتے ہوئے یزید بن معاویہ کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا بتلایا ہے۔ [1]

لہٰذا جب یزید بن معاویہ کا مغفرت یافتہ اور جنتی ہونا ثابت ہے تو وہ اس حدیث کے مصداق کیسے ہو سکتے ہیں جس میں جہنمیوں کا تذکرہ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہ تو ذمِ یزید میں وارد ہے اور نہ ہی کسی بھی اعتبار سے یزید بن معاویہ اس کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب آگے فرماتے ہیں:

''رہا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن کثیر کا منقطع کہنا [2] تو اس وجہ سے

---

[1] تاریخ ابن عساکر (۷۰/۳۸۰) نیز دیکھئے ہماری کتاب ''قسطنطنیہ پر پہلا حملہ۔۔۔'' (ص۷۸)

[2] ہمارے خیال سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید والی اس حدیث کو منقطع نہیں بلکہ ضعیف کہا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

''وقد أورد ابن عساكر أحاديث فى ذم يزيد بن معاوية كلها موضوعة لا يصح شيء منها .

وأجود ما ورد ما ذكرناه على ضعف أسانيده **وانقطاع بعضه**. والله اعلم.''

''اور ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں چند احادیث نقل کی ہیں، جو سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں، ان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بہتر وہ احادیث ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے لیکن ان کی سندیں بھی ضعیف ہیں **اور بعض منقطع ہیں**'' [البدایہ والنہایہ: ۸/۲۳۱، مکتبہ المعارف]

اور اس عبارت سے پہلے ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید کی مذمت میں صرف دو ہی احادیث ذکر کی ہیں۔ ایک ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ والی روایت جسے دو طریق سے ذکر کیا ہے اور دونوں جگہ اسے منقطع کہا ہے۔ دوسری ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث اسے ذکر کرتے وقت منقطع کا حکم نہیں لگایا بلکہ اس پر امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کا قول نقل کرکے جرح کی ہے۔ اور اوپر کی عبارت میں انہوں نے ''**انقطاع بعضه**'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی ماقبل کی ساری احادیث پر انقطاع کا حکم نہیں ہے بلکہ بعض پر ہے۔ اس لئے اس بعض سے مراد وہی حدیث ہے جسے ماقبل میں صراحت کے ساتھ ابن کثیر رحمہ اللہ نے منقطع ←

مردود ہے کہ ابو مسلم الجذمی تک سند حسن لذاتہ یعنی صحیح متصل ہے اور انہوں نے فرمایا:

''قلت لأبی ذر'' (مسند أحمد ۵/ ۱۷۹) ①

یعنی کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان نہیں ہے۔'' ②

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''علی ضعف أسانیدہ '' کے ذریعہ یزید والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔اور ''وانقطاع بعضہ '' کے ذریعہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کو منقطع کہا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ ③

تاہم اگر یہ تسلیم کرلیں کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس (ابوذر رضی اللہ عنہ والی) حدیث کو منقطع کہا ہے تو یہ بات خلافِ حقیقت نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث اصلا منقطع ہی ہے۔ زبیر علی زئی صاحب جس سند کی بنیاد پر اسے متصل بتلا رہے ہیں وہ سند اس کیفیت میں ثابت ہی نہیں لہذا اتصال کا دعوی یکسر باطل ومردود ہے۔

زبیر علی زئی صاحب نے اس سے پہلی والی تحریر میں بھی اس سند کے متصل ہونے کا دعوی

← کہا ہے۔اور ''ضعف اسانیدہ'' سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مراد ہے۔ جسے ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابویعلی، ابن خزیمہ اور بخاری کی سندوں سے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح رہے زبیر علی زئی صاحب کے تعاقب میں پہلی تحریر میں ہم نے بھی یہی بات لکھی تھی کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے زیر بحث یزید والی حدیث کو منقطع بتلایا ہے لیکن مزید غور کرنے پر معلوم ہوا کہ انقطاع کا حکم اس حدیث پر نہیں بلکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ والی حدیث پر ہے۔ لہٰذا ہم نے بعد میں اپنی عبارت درست کردی ہے۔

① واضح رہے کہ مسند احمد کے محولہ مقام پر یزید والی حدیث مروی نہیں ہے بلکہ وہاں دوسری حدیث ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے یہ حوالہ یہ بتانے کے لئے دیا ہے کہ ابومسلم کی ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔

عرض ہے کہ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے ابومسلم کی ملاقات ثابت ہے لیکن جس سند پر ہماری بحث ہورہی ہے اس سند میں ابومسلم کا وجود ہی ثابت نہیں بلکہ عبدالوہاب نے وہم کا شکار ہوکر اپنی سند میں ابومسلم کا اضافہ کردیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ۔ (ص: ۱۳۴ تا ۱۶۳)

لہٰذا جب ہماری زیر بحث سند میں ابومسلم کا وجود ہی ثابت نہیں تو دوسری سند میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ابومسلم کی ملاقات کا حوالہ دینا لغو ہے کیونکہ اس سے کسی کو انکار ہی نہیں ہے۔

② مقالات (۶/ ۴۰۱)

③ دیکھئے اسی تحریر کے صفحہ (۱۲۷) کا حاشیہ (۲)

کیا تھا جس کی مفصل تردید ہم نے اپنی تیسری تحریر میں کردی تھی لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے پھر اتصال کا دعوی دہرا دیا ہے۔

قارئین اس باطل اور مردود علیہ دعوی کے حقیقت جاننے کی لئے ہماری تیسری تحریر کی طرف مراجعت فرمائیں۔[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے کے تحت زبیر علی زئی صاحب آخری پیراگراف درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حافظ ابن کثیر کا اس روایت کو منقطع کہنا اور امام بخاری سے معلول کا قول نقل کرنا اسی طرح غلط ہے، جس طرح کہ ابن کثیر نے یزید کے بارے میں فرمایا:'' وكان فيه أيضا إقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الأوقات '' اور وہ شہوت پرستی پر راغب تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں ترک بھی کردیا کرتا تھا۔'' (البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۵)
بے سند بات ہر حالت میں مردود ہوتی ہے، چاہے اپنے حق میں ہو یا خلاف ہو۔[2]

منقطع پر ماقبل میں بات ہوچکی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے قول معلول پر امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت بحث ہوچکی ہے[3]۔ اب یہاں پر موصوف نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا ایک قول پیش کیا ہے اس پر بھی نظر کرلیتے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں کہ یزید تارکِ صلاۃ تھا۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے محض یہ بات تاریخی حیثیت سے ذکر کی ہے، لیکن خود اس کی صحت کے قائل نہیں ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ترکِ صلاۃ اور شہوات والی بات انہیں روایات میں ہے، جن میں شراب پینے کی تہمت ہے اور یزید سے متعلق شراب پینے کی تہمت اور بعض دیگر برائیوں کا تذکرہ

---

[1] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۵۵ تا ۱۵۷)
[2] مقالات (۶/ ۴۰۱)
[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۲۶ تا ۳۱)

کرنے کے بعد خود ابن کثیر رحمہ اللہ نے صاف طور سے کہہ دیا:

"وذكروا عنه غير ذلك والله أعلم بصحة ذلك"[1]

''اس کے علاوہ اور بھی یزید کی کئی برائیاں لوگوں نے بیان کی ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ انھوں نے یزید سے متعلق جتنے الزامات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں ان کے نزدیک کسی کی صحت معلوم نہیں ہے، بلکہ محض تاریخی اعتبار سے موصوف نے ان کا تذکرہ کر دیا ہے اور خود اس کی بنیاد کو نامعلوم الصحہ کہا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی یزید سے متعلق ان خرافات پر ایمان رکھتے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب نے آخر میں اپنے حق کی بات بھی کیا خوب کہی! گویا یزید کی برائیاں ثابت ہونا ان کے حق کی بات ہے! سبحان اللہ!

ویسے یزید سے متعلق بے سند بات کو رد کرنے کا دعویٰ محض نام نہاد اور جھوٹے معیار کی نمایش ہے اور سچائی یہ کہ زبیر علی زئی صاحب نے یزید کے خلاف صرف بے سند ہی نہیں بلکہ ضعیف السند حتیٰ جھوٹی اور من گھڑت روایت سے بھی استدال کیا ہے۔[2]

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٥٥) مكتبة المعارف

[2] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۵۷۳ تا ۵۷۵) نیز دیکھئے: قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۔۔۔ (ص ۲۷ تا ۳۳)

چھٹا حوالہ

امام سیوطی رحمہ اللہ کا موقف

چھٹا حوالہ ہم نے امام سیوطی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی:۹۱۱ھ) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے: [الجامع الصغير من حديث البشير النذير :۔ ۱/ ۲٤٤]۔

واضح رہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ شواہد اور دیگر اسناد کے پیش نظر روایات کو حسن قرار دینے میں معروف ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہاں امام سیوطی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پرواہ کئے اسے ضعیف قرار دیا گویا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت ثابت نہیں بلکہ مردود ہے۔'' (ص ۴)

مذکورہ بیان دسویں صدی کے ایک عالم و مولوی اور حاطب اللیل سیوطی صاحب پر دروغ بے فروغ ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ سیوطی نے ابن عساکر کی روایت ذکر نہیں کی بلکہ ابویعلی کی روایت ذکر کی ہے اور ابویعلی کی سند میں ابومسلم الجذمی کا واسطہ موجود نہیں۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۶)

لہٰذا اگر ایک منقطع سند کو انہوں نے ''ض'' کہہ دیا تو اس سے متصل سند کیوں کر ضعیف ہو جاتی ہے۔؟!'' [1]

سب سے پہلے تو آپ کی اس پُر تدلیس مکاری کا پردہ چاک کر دیا جائے جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ابویعلی کی کسی بھی سند میں ابومسلم الجذمی کا واسطہ نہیں ہے۔

حضرت! امام ابویعلی نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو دو [2] سندوں سے نقل کیا ہے

[1] مقالات (۶/ ۴۰۱-۴۰۲)

[2] دو سندوں کا مطلب نیچے سند میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ ورنہ اصل متن حدیث کے لئے یہ دونوں کلی طور سے الگ الگ سندیں نہیں ہیں۔ نیز یہ اختلاف عبدالوہاب الثقفی کی غلطی کا نتیجہ ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے اور اصلا اس حدیث کی ایک ہی سند (عوف عن مهاجر عن أبي العاليه عن أبي ذر) ہے جو منقطع ہے۔ اسے عوف سے اسی طرح بیان کرنے پر عبدالوہاب الثقفی کے علاوہ سارے رواۃ کا اتفاق ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۳۴ تا ۱۷۴)

اور ایک میں ابومسلم کا واسطہ واضح طور پر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

❁ حدیثِ ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مسند ابی یعلی میں پہلی سند

" قال أبو يعلى : حدثنا عثمان بن أبي شيبة ثنا معاوية بن هشام عن سفيان عن عوف عن خالد بن أبي المهاجر عن أبي العالية قال كنا مع أبي ذر بالشام فقال أبو ذر سمعت رسول الله ﷺ يقول **أول من يغير سنتي رجل من بني أمية**"[1]

❁ حدیثِ ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مسند ابی یعلی میں دوسری سند

"قال أبو يعلى :حدثنا محمد بن إسماعيل بن أبي سمينة ، حدثنا عبد الوهاب ، عن عوف ، عن المهاجر أبي مخلد ، عن أبي العالية ، حدثنا **أبو مسلم**[2] ، قال:كان أبو ذر رضي الله عنه بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان ، فغزا المسلمون ، فغنموا

---

[1] البداية والنهاية، مكتبة المعارف(٨/ ٢٣١)، جامع المسانيد والسنن(٩/ ٤٩٦)
"**سفيان عن عوف** " ہی کے طریق سے اسی روایت کو امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ اور مرفوع ٹکڑے کے لئے ان کے الفاظ ہیں:"**أول رجل يغير سنتي رجل من بني فلان**" [تاريخ اصبهان: ١/ ١٣٢]۔ "**يغير**" کا لفظ دونوں کے یہاں موجود ہے باقی اختلاف روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے۔
لیکن امام سیوطی رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ میں "**يغير**" نہیں بلکہ اس کی جگہ "**يبدل**" کا لفظ ہے۔ اور یہ لفظ "ابومسلم الجذمی" کی سند والی روایت میں ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ "ابومسلم الجذمی" کی جو روایت تاریخ ابن عساکر میں ہے اس میں بھی "**يبدل** " کا لفظ ہے۔
پھر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "ابومسلم الجذمی" کی سند والی روایت ہی کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] ملاحظہ فرمایئے مسند ابی یعلی میں موجود حدیثِ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس سند میں "ابومسلم الجذمی" موجود ہے۔

و أصابوا جارية نفيسة ، فصارت لرجل من المسلمين فى سهم ....
فذكر نحوه"[1]

"فذكر نحوه" کہہ کر مکمل متن کے لئے اسی کتاب میں اس سے پہلے مذکور حدیث کے متن کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے پہلے والی روایت کا متن یہ ہے:

(لما كان يزيد بن أبي سفيان أميرا بالشام، غزا المسلمون، فسلموا وغنموا، وكان في غنيمتهم جارية نفيسة، فصارت لرجل من المسلمين)، فأرسل إليه يزيد، فانتزعها منه، وأبو ذر يومئذ بالشام، فاستعان الرجل بأبي ذر علىٰ يزيد، فانطلق معه، فقال ليزيد: رد عليه جاريته، فتلكأ ثلاث مرات، فقال أبو ذر : أما والله لئن فعلت، لقد سمعت رسول الله ﷺ، يقول: **إن أول من يبدل سنتي لَرجل من بني أمية**، ثم ولّٰى عنه، فلحقه يزيد، فقال: أذكرك بالله تعالىٰ: أنا هو؟ قال: اللهم لا، ورد علىٰ الرجل جاريته"[2]

قارئین! آپ نے دیکھ لیا کہ مسند ابویعلی میں ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث دوسندوں سے مروی ہے اور ایک سند میں "ابومسلم الجذمی" کا واسطہ موجود ہے۔

---

[1] المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (٤/٤٥٧)

[2] المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (٤/٤٥٦)۔ یہ الفاظ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی کتاب "المسند" سے منقول ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب "المصنف" میں اپنے اسی طریق سے اسی روایت کو مختصراً ان الفاظ میں درج کیا ہے: "أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية" [المصنف لابن أبی شیبہ: ١٤/١٠٢]

"ابومسلم الجذمی" والی سند کے لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابویعلی کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں، بلکہ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت کے الفاظ کا حوالہ دے کر کہا کہ تقریباً یہی الفاظ "ابومسلم الجذمی" والی سند کی روایت کے ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ کی اس روایت میں وہ مرفوع حصہ، الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔
اور ممکن ہے کہ مسند ابویعلی کے اصل الفاظ میں کچھ بھی اختلاف نہ رہا ہو۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ←

اب زبیر علی زئی صاحب یہ بتائیں کہ ان کے پاس کہاں سے یہ وحی آ گئی کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر کی ہے وہ منقطع سند والی ہے؟؟؟

کتنی ہوشیاری سے محترم نے البدایہ والنہایہ سے صرف منقطع سند کا حوالہ دیکر قارئین کو یہ چکما دینے کی کوشش کی ہے کہ مسند ابویعلی میں ابومسلم الجذمی والی کوئی سند ہے ہی نہیں! واہ! احادیث کی تحقیق میں ہر مدلس کے ساتھ عن عن کا رٹا لگا کر خود بھی سراپا مدلس بن گئے! کتنے مزے سے لکھا:

''سیوطی نے ابن عساکر کی روایت ذکر نہیں کی بلکہ ابویعلی کی روایت ذکر کی ہے اور ابویعلی کی سند میں ابومسلم الجذمی کا واسطہ موجود نہیں۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۶)'' [1]

اللہ کے بندے! مسند ابویعلی میں بھی ابن عساکر کی سند والی روایت درج ہے جس میں ''ابومسلم الجذمی'' کا واسطہ موجود ہے کما مضٰی۔ پھر آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ابویعلی کی منقطع سند والی روایت ذکر کی ہے؟

بہت ممکن ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے مسند ابویعلی سے ''ابومسلم الجذمی'' کی سند والی روایت ہی درج کر کے اس کو ضعیف کہا ہو۔ [2]

← ہے کہ ابومسلم الجذمی کی سند والی روایت کو ابن عساکر نے بھی نقل کیا ہے اور اس میں امام سیوطی کے نقل کردہ تمام الفاظ حرف بحرف موجود ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے صرف مرفوع حصہ نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''**أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية**'' [الجامع الصغير مع فيض القدير(٣/ ٩٤) رقم (٢٨٤١)]

اور یہ الفاظ حرف بحرف ابن عساکر کی ''ابومسلم الجذمی'' والی روایت میں بھی ہیں۔

البتہ ابن عساکر کی روایت میں ''**يقال له :يزيد**'' کا اضافہ ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ مسند ابویعلی میں ''ابومسلم الجذمی'' کی اسی روایت میں یہ اضافہ نہ رہا ہو۔ جیسا کہ یہی پورا واقعہ امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے دوسرے طرق سے نقل کیا ہے اور ان میں بھی ''**يقال له :يزيد**'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ [دیکھئے: دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)، تاريخ دمشق لابن عساكر(٦٥/ ٢٥٠) نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۳۵، ۱۳۶]

[1] مقالات (۶/ ۴۰۱-۴۰۲) [2] دیکھئے صفحہ (۱۳۲) کا حاشیہ (۱) اور ص (۱۳۳) کا حاشیہ (۲)

بہر حال جب مسند ابویعلی میں امام سیوطی کی نقل کردہ حدیثِ ابوذر رضی اللہ عنہ دونوں سندوں کے ساتھ موجود ہے۔اور یہ دونوں سندیں بھی ایسی نہیں ہیں کہ کلی طور سے الگ الگ ہوں، بلکہ دونوں میں متنِ حدیث کے راوی ابوذر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ''**عوف عن مهاجر عن ابی العاليه**'' [1] کا طریق بھی یکساں ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ ایک سند میں ''ابومسلم الجذمی'' کا اضافہ ہے۔

دریں صورت جب امام سیوطی رحمہ اللہ نے مسند ابویعلی کا حوالہ دے کر اسے ضعیف کہہ دیا تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مسند ابویعلی میں یہ روایت ہر طریق کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

اگر آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''ابومسلم الجذمی'' والی سند کی تضعیف نہیں کی ہے تو اس بات کا حوالہ پیش کریں۔

زبیر علی زئی صاحب اپنی ایک کتاب میں، ترکِ رفع الیدین سے متعلق حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضعیف کرنے والوں میں امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کا نام شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثم لا یعود (وغیرہ) الفاظ کے ساتھ ترکِ رفع الیدین کی جو حدیث مروی ہے، امام محمد بن نصر المروزی نے ان الفاظ کی تضعیف پر خاص توجہ دی۔دیکھئے بیان الوہم و الایہام (۳/۳۶۵، ۳۶۶) اور ظاہر ہے کہ چارپائی پر جس طرف سے بھی لیٹا جائے، کمر درمیان میں ہی رہتی ہے۔اگر کوئی کہے کہ امام محمد بن نصر المروزی کا نام جارحین میں صحیح نہیں ہے۔تو عرض ہے کہ کیوں؟ کیا وہ ترکِ رفع الیدین کی روایتِ مذکورہ کو صحیح کہتے تھے؟ حوالہ پیش کریں!!'' [2]

ہم کہتے ہیں کہ امام سیوطی نے مسند ابویعلی سے ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرکے اسے ضعیف کہا ہے۔اگر آپ کہتے ہیں کی مسند ابویعلی میں موجود ابومسلم الجذمی والی سند کے ساتھ سیوطی

---

[1] واضح رہے کہ ''**مهاجر**'' کا نام کئی سندوں میں غلط طور پر درج ہو گیا ہے۔

[2] نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ۴۲۱-۴۲۲)

نے اسے ضعیف نہیں کہا تو بتلا ئیے کہ کیا سیوطی اسے صحیح کہتے تھے؟ حوالہ پیش کریں!!

اور بالفرض انہوں نے مسند ابویعلی سے منقطع سند والی روایت درج کی ہے تو بھی اسی مسند ابویعلی میں ''ابومسلم الجذی'' والی روایت پر ان کا واقف ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے پھر بھی انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے جبکہ امام سیوطی رحمہ اللہ شواہد ومتابعات کے پیش نظر بھی حدیث کی تصحیح وتحسین کرتے ہیں۔

اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے وہ سند کی اس کیفیت کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں کیونکہ یہ کیفیت مبنی بر غلط اور راوی کے وہم کا نتیجہ ہے۔

لیکن زبیر علی زئی صاحب کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صرف وہ سند لیکر بیٹھ گئے جو مبنی بر وہم وغلط تھی۔ اور اسی پر پھولے نہیں سمارہے ہیں۔

حضرت! صرف ایک سند وہ بھی مبنی بر غلط سند سے چپک کر حدیث پر حکم لگانا یہ اہل علم کا طریقہ کار نہیں ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ آپ سے کہیں زیادہ سندوں پر واقفیت رکھتے تھے اور آپ سے کہیں زیادہ اصول حدیث کی بھی خبر رکھتے تھی ان کی کتاب تدریب الراوی جامعات کے نصاب میں شامل ہے۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

''دوسرے یہ کہ الجامع الصغیر کی رموز میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے''[1]

صحیح بات ہے۔ لیکن اس تضعیف والے رمز کے خلاف کوئی تحقیقی بات موجود نہیں ہے۔ اسے غلط قرار دینے کے لئے الگ سے دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔

زبیر علی زئی صاحب آگے امام سیوطی پر غصہ اتارتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نیز حاطب اللیل کو امام قرار دینا بھی اعجوبہ ہے''[2]

امام سیوطی رحمہ اللہ کو بہت سارے اہل علم ''امام'' قرار دیتے ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی

---

[1] مقالات (۴۰۲/۶)

[2] مقالات (۴۰۲/۶)

انہیں ''امام'' لکھا ہے[1]۔ اور سر پیٹ لینے کی بات تو یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی دیگر مقامات پر بقلم خود سیوطی کو ''امام'' لکھ رکھا ہے۔

مثلا ایک جگہ لکھتے ہیں:

''...امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کہتے ہوئے مقلدین کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج کر دیا ہے...''[2]

نیز ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''...بلکہ امام سیوطی کے بقول یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں...''[3]

اب بتائیے! کہ آپ کی نمائش کس ''عجائب گھر'' میں کی جائے؟؟؟

امام سیوطی رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت اپنی بات ختم کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''پھر یہ دعوی کرنا کہ سیوطی کی نظر میں یہ روایت (جسے انہوں نے ذکر ہی نہیں کیا) ثابت نہیں بلکہ مردود ہے'' بہت بڑا جھوٹ ہے۔ جس کا حساب مرنے کے بعد دینا پڑے گا ان شاء اللہ''[4]

اچھا! آپ ذرا اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ابومسلم الجذمی والی روایت ذکر نہیں کی ہے! یاد رہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے مسند ابویعلی کا حوالہ دیا ہے اور مسند ابویعلی میں یہ حدیث ابومسلم الجذمی کی سند کے ساتھ بھی موجود ہے۔

یہی اعتراض موصوف نے ابتداء میں پیش کیا جس کا مفصل جواب گذر چکا ہے، یہاں آں جناب نے محاسبہ خوف دلاتے ہوئے یہی اعتراض دہرایا ہے۔

عرض ہے کہ جب دلائل پھسپھسے ہوں تو زہد وتقوی کی دہائی دے کر اور محاسبہ کا خوف دلا کر ان میں وزن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ نادان لوگ ہی اس طرح کے مصنوعی جذبات سے مرعوب ہو سکتے ہیں، اہل علم بحث ومباحثہ میں جذبات نہیں، صرف دلائل دیکھتے ہیں۔

---

1. السلسلة الصحيحة (٧/ ١٠٣٠) ولفظه: "وأماالحافظ المتأخر؛ فهو الإمام السيوطي؛"
2. جزء رفع اليدين للبخاري (اردو ترجمہ)، مقدمہ (ص:١٩)، نیز اسی تحریر کا صفحہ (٨-٩) دیکھیں۔
3. دیکھیں: امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص:٢٧)، نیز اسی تحریر کا صفحہ (١٠-١١) دیکھیں۔
4. مقالات (٤٠٢/٦٠)

ساتواں حوالہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا موقف

ساتواں حوالہ ہم نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا،اس پر زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲ھ) نے زیر بحث روایت کو نقل کرنے کے بعد سند میں ابومسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

رواه معاوية بن هشام، عن سفيان، عن عوف، فلم يذكر بين أبي العالية وأبي ذر أحدا.

اس روایت کو معاویہ بن ہشام نے سفیان عن عوف کے طریق سے روایت کیا ہے اور ابوالعایہ[1] اورابوذر رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی کو ذکر نہیں کیا۔[إتحاف المهرة لابن حجر:۔۱۴/۲۲۴]۔(ص ٤)

آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، معلول اور مردود ہرگز نہیں کہا۔''[2]

ہم شروع میں واضح کر چکے ہیں کہ[3] ہم نے یہ دعوی نہیں کیا تھا کہ ہم جن محدثین کا نام پیش کررہے ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اسے موضوع بھی کہا ہے، منقطع بھی کہا ہے، مردود بھی کہا ہے اور مردود ہونے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، بلکہ ان میں سے کسی نے موضوع کہا ہے تو کسی نے منقطع کہا ہے اور کسی نے مردود قرار دیا ہے تو کسی نے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہاں پر ہم نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ درج کیا تھا جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اقتباس میں نقل کیا ہے۔اوران الفاظ سے ہمارا استدلال یہ تھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند میں ''ابومسلم'' کی زیادتی کے شذوذ کی طرف اشارہ کیا ہے۔چناں چہ ہم نے آگے چل اس کی

---

[1] کتابت کی غلطی تھی،صحیح ''ابوالعالیہ'' ہے۔

[2] مقالات (۶/۴۰۲)

[3] اسی تحریر کا صفحہ (۲۱) دیکھیں

وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا:

''حافظ ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف ایک طریق میں جو زیادتی پر تنبیہ کی ہے اس سے مقصود یہی ہے کہ یہاں پر یہ زیادتی شاذ ہے یعنی مردود ہے کیونکہ ایسے موقع پر اہل فن صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں نے زیادتی کی ہے بلکہ ساتھ میں اس اصول کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ زیادتی ثقہ مقبول ہے، اور یہاں پر محض زیادتی پر تنبیہ ہے اور زیادتی ثقہ کی قبولیت کی صراحت نہیں ہے **نیز قبولیت کے قرائن بھی مفقود ہیں بلکہ رد کے قرائن موجود ہیں ایسی صورت میں ان ائمہ کا اشارہ اس زیاتی کے شذوذ ہی کی طرف ہے** یعنی یہ زیادتی مردود ہے۔ ناقدین کے اس طرح کے اشاروں کو اہل علم نے بیان علت ہی سمجھا ہے۔''[1]

خط کشیدہ الفاظ پر دھیاں دیں جو ہمارے مقصود کو واضح کررہے ہیں کہ ہم نے ابن حجر رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کو، سند میں ابومسلم کی زیادتی کے شذوذ کی طرف اشارہ پر محمول کیا ہے۔

لیکن زبیر علی زئی صاحب اپنے قارئین کو یہ بتارہے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، معلول اور مردود ہرگز نہیں کہا۔

زبیر علی زئی صاحب کے علمِ کلام کا یہ خاص کمال ہے کہ وہ فریق مخالف کی جس بات کے جواب سے عاجز ہوتے ہیں اس بات کا مفہوم ہی بدل ڈالتے ہیں اور اپنی طرف سے ایک موقف گڑھ کر بڑی ڈھٹائی سے مخالف کی طرف منسوب کردیتے ہیں پھر اس کا جواب دے کر خوش ہوجاتے ہیں کہ جواب ہوگیا۔

اس طرح کی حرکتوں سے نادان اور متعصب معتقدین ہی مطمئن ہوسکتے ہیں مگر انصاف پسند اور کھلی آنکھ رکھنے والے حضرات اس حربے کے شکار قطعا نہیں ہوسکتے۔

بہرحال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ سے متعلق ہم نے اپنا مقصود دوبارہ واضح کردیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند میں ابومسلم کی اضافہ پر تنبیہ کرکے اس بات کی طرف

[1] تیسری تحریر (ص ۵) یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: (ص ۹۴)

اشارہ کیا ہے کہ یہ اضافہ شاذ و مردود ہے۔

زبیر علی زئی صاحب اپنی طرف سے کچھ باتیں ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے پھر ان کی نفی کر کے آگے ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت کی من مانی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بلکہ بطور تخریج و فائدہ یہ فرمایا کہ سفیان ثوری عن عوف والی سند میں ابو مسلم الجذمی کا واسطہ مذکور نہیں ہے''[1]

بطور تخریج نہیں ، بلکہ بطور تعلیل و تنبیہ یہ فرمایا ہے کہ سفیان ثوری عن عوف والی سند میں ابو مسلم الجذمی کا واسطہ مذکور نہیں ہے۔

سند و متن میں بیانِ علت اور شذوذ کی نشاندہی میں محدثین کا یہ اسلوب بہت ہی معروف ہے۔ ذیل میں تین مثالیں پیش خدمت ہیں:

پہلی مثال:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) قتادہ کے طریق سے مروی ''وإذا قرأ فأنصتوا'' کے اضافہ کے ساتھ منقول حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

''ورواه هشام الدستوائی وسعید وشعبة وهمام وأبو عوانة وأبان وعدی بن أبی عمارة كلهم عن قتادة **فلم يقل أحد منهم وإذا قرأ فأنصتوا** وهم أصحاب قتادة الحفاظ عنه''[2]

''اور اسی حدیث کو ہشام دستوائی ، سعید ، شعبہ ، ہمام ، ابوعوانہ ، ابان اور عدی بن ابی عمارہ نے بھی روایت کیا ہے ان سبھوں نے اسی حدیث کو قتادہ ہی سے نقل کیا ہے **لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ''وإذا قرأ فأنصتوا'' نہیں کہا** اور یہ سب کے سب قتادہ کے حفاظ شاگرد ہیں۔''

یہاں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صراحتاً حدیث کو ضعیف نہیں کہا ہے بلکہ اس میں موجود علت کی

---

[1] مقالات (۶/۴۰۲)

[2] سنن الدارقطنی (۱/ ۳۳۰)

طرف اشارہ کیا ہے اور تمام اہل علم نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس اشارہ سے یہی سمجھا ہے کہ وہ **وإذا قرأ فأنصتوا** کے اضافہ کو مردود قرار دے رہے ہیں۔

دوسری مثال:

امام احمد رحمہ اللہ نے ترک رفع الیدین سے متعلق حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"وحديث عاصم بن كليب رواه ابن ادريس فلم يقل ثم لا يعود"[1]

''اور عاصم بن کلیب کی حدیث کو ابن ادریس نے روایت کیا تو ''ثم لا یعود'' نہیں کہا''

اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ بات صرف بطور تخریج فرمائی اور کوئی علت بیان نہیں کی؟

تیسری مثال:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے " **عقبة بن خالد، قال: حدثنا شعبة، عن الجريري، عن أبي نضرة، عن أبي سعيد** " کی سند سے ایک روایت بیان کیا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ: ألست أحق الناس بها؟ ألست أول من أسلم؟ ألست صاحب كذا، ألست صاحب كذا؟ (کیا میں اس (خلافت) کا لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار نہیں؟ کیا میں وہ شخص نہیں ہوں جو سب سے پہلے اسلام لایا؟ کیا میں ایسی ایسی خوبیوں کا مالک نہیں ہوں؟)۔[2]

اس روایت کی سند میں عقبہ بن خالد نے ابونضرہ کے بعد ''ابوسعید رضی اللہ عنہ'' کا اضافہ کر دیا

---

[1] مسائل أحمد، رواية عبد الله، ت زهير الشاويش (ص ٧١)

[2] سنن الترمذي، ت دكتور بشار عواد (٦/٤٧) رقم (٣٦٦٧) واضح رہے کہ یہ بات دیگر کئی روایات سے ثابت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب پہلے اسلام لانے والے تھے۔ مثلاً دیکھئے: صحيح السيرة النبوية (١٢٠)۔ اسی طرح اس بات کے بھی بے شمار دلائل ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے اہل ہیں۔

لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خود اپنی زبان سے ان الفاظ میں اپنی خوبیاں گنا گنا کر خود کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار بتلانا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ سچائی یہ ہے کہ صحابی رسول ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس بات کے لئے بحث نہیں کی کہ میں ہی خلافت کا حقدار ہوں اور مجھے ہی خلیفہ بنایا جائے۔ نیز دیکھئے (ص ۱۵۱)

ہے [1] جبکہ دیگر رواۃ نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا ہے بلکہ اسے مرسلا روایت کیا ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس اضافہ پر تنبیہ کرتے ہوئے اور اس کے شاذ و مردود ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رواه عبد الرحمن بن مهدی، عن شعبة، فلم يذكر فيه أبا سعيد" [3]

''اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ''ابوسعید'' کا تذکرہ نہیں کیا''

اس عبارت میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند میں ''ابوسعید'' کے اضافہ کے شاذ و مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے کہا:

"رجاله ثقات لكن قال التِّرمِذيّ والبزار تَفَرَّدَ به عقبة بن خالد ورواه عبد الرحمن بن مهدی، عَن شعبة فلم يذكر أبا سعيد قال التِّرمِذيّ وهو أصح" [4]

''اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن ترمذی اور بزار نے کہا: اسے بیان کرنے میں عقبہ بن خالد منفرد ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے اسے شعبہ سے روایت کیا تو ''ابوسعید''

---

[1] ایک روایت کے مطابق ''یعقوب الحضرمی'' نے بھی شعبہ کے طریق سے یہ اضافہ بیان کیا ہے [علل دارقطنی ۱/۲۳۵] لیکن ''یعقوب الحضرمی'' سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ اس کی سند میں موجود ''عبدالرحمٰن بن خراش'' کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔ زبیر علی صاحب لکھتے ہیں: ''ابن خراش کا بذات خود ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں'' [توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری: ص ۷۰] اس لئے اس روایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

[2] مثلا عبدالرحمٰن بن مہدی دیکھئے: سنن الترمذی، ت دکتور بشار عواد (۶/۴۷) رقم (۳۶۶۷/م)۔ نیز دیکھئے: العلل للدارقطنی، ت محفوظ السلفی (۱/۲۳۴)، علل الحدیث لابن أبی حاتم، تحقیق: سعد الحمید (۶/۴۶۹)

[3] إتحاف المهرة لابن حجر (۸/۲۳۵)

[4] الإصابة لابن حجر، ت ترکی (۶/۲۷۹)

کا تذکرہ نہیں کیا۔(امام) ترمذی نے کہا: اور یہ اصح ہے“

غور کریں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ” **اسنادہ صحیح**“ یا”**اسنادہ حسن**“ نہیں کہا ہے بلکہ صرف رجال کو ثقہ کہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سند کو ابوسعید کے اضافہ کے ساتھ صحیح یا حسن تسلیم نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس کلام کو اہل علم نے بیانِ علت اور شذوذ کی نشاندہی پر ہی محمول کیا ہے چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سکت عنہ المؤلف فما أحسن،لأن الترمذی نفسہ اعلہ بالارسال،وتبعة الحافظ فی ”الاصابہ“ وقدشرحت ذلك فی تعلیقی علی ”الاحادیث المختارۃ“رقم (١٩)وانمااوردتہ ھناشاھدا“[1]

”مؤلف نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے اور یہ بہتر نہیں کیا کیونکہ ترمذی نے خود اسے ارسال سے معلول کیا ہے۔اور حافظ ابن حجر نے بھی ان کی پیروی کی ہے“

ان مثالوں سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ حدیثِ یزید سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ اسی اسلوب میں جس میں محدثین سند و متن کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اب زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ ان مثالوں کا جائزہ لیتے ہیں جن کے ذریعہ موصوف نے یہ بتانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ محدثین کا یہ اسلوبِ کلام، تعلیل پر دلالت نہیں کرتا۔

زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ مثالوں کی حقیقت

زبیر علی زئی صاحب نے دو مثالیں پیش کر کے قارئین کو اس مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اسلوبِ کلام سے حدیثِ یزید پر کوئی جرح ثابت نہیں ہوتی ہے۔

---

[1] صحیح السیرۃ النبویۃ (١٢٠) حاشیہ (٢)

(الف) پہلی مثال پیش کرتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اسی طرح ہے کہ امام بخاری نے عبدالوارث اور ابراہیم بن طہمان عن ایوب السختیانی عن عکرمہ عن ابن عباس کی سند سے ایک صحیح حدیث بیان کی اور فرمایا:

''ولم یذکر ابن علیہ ابن عباس، ابن علیہ نے (عن ایوب عن عکرمہ سے مرسلا روایت بیان کی اور) ابن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ (صحیح البخاری: ۴۸۶۲، فتح الباری ۸/۶۱۴)

ظاہر ہے کہ ابن علیہ کے سیدنا ابن عباس کا واسطہ ذکر نہ کرنے سے صحیح بخاری کی یہ حدیث ضعیف یا معلول نہیں ہوگئی۔''[1]

اگر اس طرح کی مثالیں آپ مجھے قائل کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں تو اپنی یہ غلط فہمی دور فرمالیجئے کہ آپ کے نقل کردہ حوالوں پر ہم آنکھ بند کرکے یقین کرلیں گے اور اصل مراجع ومصادر کی طرف مراجعت نہیں کریں گے۔

اور اگر خود پر اندھا دھند بھروسہ کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے معتقدین کو اسی طرح بے وقوف اور احمق سمجھ رکھا ہے جس طرح کچھ چالاک اور مکار قسم کے ملانے، پیر بن کر اپنے مریدین کو عقل سے پیدل اور شعور سے محروم باور کرتے ہیں۔

بہرحال اس مثال کی حقیقت ہم پیش کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا پورا کلام یہ ہے:

''حدثنا أبو معمر، حدثنا <u>عبد الوارث</u>، حدثنا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما، قال: سجد النبى ﷺ بالنجم وسجد معه المسلمون والمشركون والجن والإنس

<u>تابعه إبراهيم بن طهمان، عن أيوب</u>، ولم يذكر ابن علية ابن عباس''[2]

''ہم سے ابو معمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا، ان سے **<u>عبدالوارث بن سعید</u>** نے بیان

---

[1] مقالات (۶/۴۰۲-۴۰۳)

[2] صحيح البخارى رقم (٤٨٦٢)

کیا، کہا ہم سے ایوب سختیانی نے بیان کیا، ان سے عکرمہ نے اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے اور تمام مشرکوں اور جنات وانسانوں نے بھی سجدہ کیا۔

ایوب سے (اسی طرح متصل) روایت کرنے میں عبدالوارث کی متابعت ابراہیم بن طہمان نے کی ہے۔

اور اسمٰعیل بن علیہ نے اپنی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا (یعنی مرسل روایت کیا)''

اس مکمل حوالے سے آں جناب کی اس تدلیس کا پردہ چاک ہو گیا:

''امام بخاری نے **عبدالوارث اور ابراہیم بن طہمان** عن ایوب السختیانی عن عکرمہ عن ابن عباس کی سند سے ایک صحیح حدیث بیان کی'' (اقتباس سابق)

حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث صرف ''عبدالوارث'' کی سند سے بیان کی ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد آگے عبدالوارث کی متابعت کے لئے ''ابراہیم بن طہمان'' کی حدیث کا تعلیقا ذکر کیا ہے۔لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ایک سانس میں مسند اور معلق روایت کا تذکرہ کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کے اصل مقصود پر پردہ ڈال دیا، تاکہ اپنا الوسیدھا کر سکیں [1]۔

زبیر علی زئی صاحب کے پُر تدلیس سیاق سے امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام ''**تابعه إبراهيم بن طهمان، عن أيوب**'' (ایوب سے (اسی طرح متصل) روایت کرنے میں عبدالوارث کی متابعت ابراہیم بن طہمان نے کی ہے) معدوم نظر آتا ہے۔اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ کہنا ''**ولم يذكر ابن علية ابن عباس**'' (ابن علیہ نے ابن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا (یعنی مرسل روایت کیا)) بالکل مہمل اور بے معنی لگتا ہے۔

جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ کا اصل سیاق یہ بتلاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ''عبدالوارث'' کی روایت کی صحت کو یہ کہتے ہوئے مؤکد بتا رہے ہیں کہ ''ابراہیم بن طہمان'' نے ان کی متابعت کی ہے۔اس کے بعد ان دونوں کے برخلاف صرف ابن علیہ کی مرسل روایت کو غیر قادح بتلاتے

[1] الوسیدھا کرنے کی تعبیر ہم نے زبیر علی زئی صاحب سے مستعار لی ہے۔آگے ان کے الفاظ آ رہے ہیں۔(ص۱۶۰)

ہوئے کہا: ''ولم یذکر ابن علیه ابن عباس ، (ابن علیہ نے ابن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا)''۔

چوں کہ ابن علیہ کی مرسل روایت کی وجہ سے کسی کو غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنی صحیح میں درج کردہ ''عبدالوارث'' کی روایت کا متصل ہونا مشکوک ہے۔اس لئے امام بخاری نے ''عبدالوارث'' کا متابع پیش کردیا۔اس کے بعد ابن علیہ کی مرسل روایت کا حوالہ دے کر یہ اشارہ کردیا کہ مرسل روایت دوثقہ رواۃ کی موصول روایت کے خلاف ہے لہٰذا غیر قادح ہے۔

بالفاظ دیگر امام بخاری رحمہ اللہ ابن علیہ کی مرسل روایت کو اپنی درج کردہ متصل روایت کے لئے اس وجہ سے غیر قادح بتارہے ہیں کیونکہ متصل روایت کو دوثقہ لوگوں نے بالاتفاق متصل بیان کیا ہے۔لہٰذا یہ متصل روایت بالکل صحیح ہے اوراس کے برخلاف صرف ابن علیہ کی تنہا مرسل روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہاں پرامام بخاری رحمہ اللہ کی مراد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما حديث بن علية فالمراد به أنه حدث به عن أيوب فأرسله وأخرجه بن أبى شيبة عنه وهو مرسل وليس ذلك بقادح لاتفاق ثقتين عن أيوب على وصله وهما عبد الوارث وإبراهيم بن طهمان"[1]

''رہی ابن علیہ کی حدیث تو اس سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ابن علیہ نے ایوب ہی سے اس حدیث کو نقل کیا تو اسے مرسل بیان کیا ،اسے ابن ابی شیبہ نے ابن علیہ سے روایت کیا ہے،اور یہ مرسل ہے۔اور یہ قادح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کو ایوب ہی سے متصل بیان کرنے میں دو ثقہ رواۃ نے اتفاق کیا ہے اوروہ عبدالوارث اورابراہیم بن طہمان ہیں''

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ زبیرعلی زئی صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کے ایک ٹکڑے کو اصل سیاق وسباق سے کاٹ کر مغالطہ آمیز سیاق میں پیش کیا اور قارئین کو یہ باور

[1] فتح الباری لابن حجر (٨/٦١٤)

کرانے کی کوشش کی کہ کسی ثقہ راوی کی بیان کردہ متصل روایت کو دوسرا ثقہ راوی اسی طریق سے مرسل بیان کردے تو اس سے متصل روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

حالانکہ یہ معاملہ اس صورت میں ہے جب روایت کا مرسل ہونا قرائن کی روشنی میں مرجوح ہو۔اورامام بخاری رحمہ اللہ کے اس حوالہ میں یہی بات ہے ۔کیونکہ دوثقہ رواۃ کا متفقہ طور پر متصل بیان کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ سند کی یہی کیفیت راجح ہے۔

اورامام بخاری رحمہ اللہ نے متصل روایت کو متابعت کے ذریعہ راجح ثابت کرنے کے بعد مرسل روایت کے مرجوح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ایسی صورت میں مرجوح مرسل روایت کی طرف اشارہ، راجح متصل روایت کے لئے قادح نہیں ہے۔

(ب) زبیرعلی زئی صاحب دوسری مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسری مثال کے طور پر عرض ہے کہ امام ترمذی نے شعبہ عن الجریری عن ابی نضرہ عن اَبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''الست أول من أسلم'' کیا میں سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوا تھا؟ (ح ۳۶۶۷ ملخصا[1])

اس روایت کی سند صحیح یا حسن لذاتہ ہے، اسے ابن حبان[2] (الاحسان: ۶۸۲۴[۶۸۶۳]) اور ضیاء المقدسی (المختارہ ۱/ ۱۰۱۔۱۰۲ ح ۱۸[3]) نے صحیح قرار دیا۔

لیکن حافظ ابن حجر اور بزار وغیرھما نے فرمایا:''رواہ عبدالرحمن بن مھدی عن شعبہ فلم یذکر فیہ أباسعید.'' یعنی اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے شعبہ سے بیان کیا تو ابوسعید (الخدری رضی اللہ عنہ) کا واسطہ بیان نہیں کیا۔(اتحاف المھرۃ ۸/ ۲۳۵ ح ۹۲۸۰ واللفظ لہ ، البحر الزخار ۱/ ۹۵ ح ۳۵)''[4]

زبیرعلی زئی صاحب نے بزعم خویش یہ روایت اپنے حق میں پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے

① آگے ہم اس روایت کو مکمل نقل کررہے ہیں وہاں قارئین اس تلخیص کی تفصیل ملاحظہ فرمالیں۔دیکھیں (ص ۱۴۸)

② ابن حبان کی اس روایت کو علامہ البانی نے صحیح ابن حبان کی تعلیق (۱۰/ ۱۱) میں ''شاذ'' قرار دیا ہے۔

③ ضیامقدسی رحمہ اللہ کی طرف اس تصحیح کی نسبت محل نظر ہے کیونکہ ضیامقدسی نے یہ روایت درج کرنے کے بعد اس پر امام ترمذی رحمہ اللہ کی جرح نقل کی ہے اور کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔

④ مقالات (۶/ ۴۰۳)

کہ یہ روایت ان کے مقصود کے خلاف ہے، بلکہ ہمارے موقف کی زبردست مؤید ہے۔ اسی لئے ہم نے اسے اپنے موقف کی وضاحت میں پیش کردہ مثالوں میں پیش کیا ہے۔ [1]

سب سے پہلے ہم اس روایت کو مکمل سند ومتن کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹) نے کہا:

حدثنا أبو سعيد الأشج، قال: حدثنا عقبة بن خالد، قال: حدثنا شعبة، عن الجريري، عن أبي نضرة، عن أبي سعيد، قال: قال أبو بكر: ألست أحق الناس بها؟ ألست أول من أسلم؟ ألست صاحب كذا، ألست صاحب كذا؟

هذا حديث قد رواه بعضهم عن شعبة، عن الجريري، عن أبي نضرة، قال: قال أبو بكر، وهذا أصح۔" [2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اس (خلافت) کا لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار نہیں؟ کیا میں وہ شخص نہیں ہوں جو سب سے پہلے اسلام لایا؟ کیا میں ایسی ایسی خوبیوں کا مالک نہیں ہوں؟ ۔

امام ترمذی کہتے ہیں: بعض نے یہ حدیث " عن شعبة، عن الجريري، عن أبي

---

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۱)

[2] سنن الترمذي، ت دكتور بشار عواد (٦/٤٧) رقم (٣٦٦٧)

ترمذی کے بعض نسخوں میں "ألست أحق الناس بها؟" کے الفاظ ساقط ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ الفاظ ترمذی کے نسخوں میں ثابت ہیں جیسا کہ دکتور بشار عواد والے نسخے میں ہے۔ امام مزی نے ترمذی کے حوالے سے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے دیکھیں: تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف (٥/٢٩٣)

امام ترمذی کے استاذ "أبوسعید الأشج" ہی سے اسی روایت کو دیگر محدثین نے نقل کیا ہے اور ان کی روایات میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ مثلا دیکھئے: الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (١/٧٦)، مسند البزار (١/٩٤)، صحيح ابن حبان، ت الأرنؤوط (١٥/٢٧٩)، الشريعة للآجري (٤/١٧٩٤)، الإبانة الكبرى لابن بطة (٩/٤٧٤)، الاحاديث المختارة (١/١٠٢)، نیز دیکھیں: حديث أبي سعيد الأشج (ص ١١٨)۔

نضرة، قال: قال أبو بكر " کی سند سے (یعنی مرسلا) روایت کی ہے اور یہ اصح ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کر کے خود اس پر جرح کر دی ہے۔ اسی طرح دیگر جلیل القدر محدثین نے بھی اسی طرح کا کلام کرتے ہوئے اس روایت کو مرسل قرار دیا ہے اور موصول بیان کرنے والے کی تغلیط کی ہے۔ چناں چہ:

❁ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۷) نے کہا:

"قال أبي : الناس يروون هذا الحديث ، عن أبي نضرة ، عن أبي بكر مرسلا لا يقولون فيه ، عن أبي سعيد"[1]

"مرے والد نے کہا: لوگ اس حدیث کو عن أبي نضرة ، عن أبي بكر، مرسل روایت کرتے ہیں اس میں یہ نہیں کہتے: عن أبي سعيد"

دکتو وصی اللہ عباس حفظہ اللہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کا قول مع وضاحت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لكن رجح الترمذی وابن ابی حاتم فی العلل(۲:۳۸۸)الرواية المنقطعة على المتصلة"[2]

"لیکن ترمذی اور ابن ابی حاتم نے علل (۲:۳۸۸) میں (اپنے والد کا قول نقل کرتے ہوئے) منقطع روایت کو متصل روایت پر راجح قرار دیا ہے۔"

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (۳۸۵) نے کہا:

"وغيرهما يرويه عن شعبة مرسلا، وكذلك رواه بن علية، وابن المبارك وعدة، عن سعيد مرسلا، وهو الصحيح"[3]

---

[1] علل الحديث لابن أبي حاتم، ت سعد الحميد(٦/٤٦٩)

[2] فضائل الصحابة للامام أحمد: تحقيق دكتور وصى الله عباس ، (١/٢٢٧ حاشيه)

[3] العلل للدارقطني، ت محفوظ السلفي (١/٢٣٤)

''ان دونوں کے علاوہ دیگر رواۃ اسے شعبہ سے مرسلا روایت کرتے ہیں اوراسی طرح ابن علیہ، ابن المبارک اور ایک جماعت نے سعید سے مرسلا روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے''

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اسی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"رواه عبد الرحمن بن مهدی، عن شعبة، فلم یذکر فیه أبا سعید"[1]

''اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ''ابوسعید'' کا تذکرہ نہیں کیا''

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسا ہی کلام اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں بھی کیا ہے[2] اور علامہ البانی رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں:

"سکت عنه المؤلف فما أحسن، لأن الترمذی نفسه اعله بالارسال، وتبعة الحافظ فی "الاصابه" وقدشرحت ذلك فی تعلیقی علی "الاحادیث المختارة" رقم (۱۹) وانما اوردته هنا شاهدا"[3]

''مؤلف نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے اور یہ بہتر نہیں کیا کیونکہ ترمذی نے خود اسے ارسال سے معلول کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی ان کی پیروی کی ہے''

لیکن زبیر علی زئی صاحب اپنے قارئین کو یہ پٹی پڑھا رہے ہیں کہ حافظ ابن حجر اور بزار رحمۃ اللہ علیہما نے اس روایت پر کوئی جرح ہی نہیں کی۔ سبحان اللہ

اس روایت کی سند کی کمزوری واضح ہونے کے بعد اس کے متن پر غور کیجیے کہ اس روایت کے مطابق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود کو خلیفہ بننے کا سب سے زیادہ حقدار بتلایا اور بزبان خود اپنے فضائل

---

[1] جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے (ص ۱۴۷)

[2] الإصابة لابن حجر، ت ترکی (۲۷۹/۶) ۔ دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ (۱۴۲)

[3] صحیح السیرة النبویة (۱۲۰) حاشیه (۲) ۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث علامہ البانی کی نظر میں بھی ضعیف ومردود ہی ہے۔ اسی لئے صحیح ابن حبان پر تعلیقات (۱۰/۱۱) میں آپ نے اسے شاذ کہا ہے اور کسی حدیث کو شاذ کہنا اسے ضعیف قرار دینا ہی ہے۔ دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۴۷-۴۸)

وخصائل (مثلا پہلے مسلمان ہونا) بیان کر کے ثابت کیا کہ خلیفہ بننے کا حق انہیں کو ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان تھے [1] اور خلیفہ بننے کے سب سے زیادہ حقدار بھی تھے۔لیکن ان کا خود اپنی زبان سے یہ ساری باتیں کہنا بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس صحیح روایت کے خلاف بھی ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننے کے بعد خطبۂ خلافت نقل کیا گیا ہے چنانچہ اس خطبہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أيها الناس فانی قد وليت عليكم ولست بخيركم" [2]

"اے لوگو! میں تم پر والی (خلیفہ) بنایا گیا ہوں اور میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں"

غور کیجئے کہاں خلیفہ بننے کے بعد یہ تواضع اور انکساری اور کہاں خلیفہ بننے سے پہلے وہ بیان جو مذکورہ روایت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

قارئین کرام! آپ نے زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ اس دوسری مثال کی حقیقت دیکھ لی اب آگے زبیر علی زئی صاحب کی مجرمانہ بَڑ دیکھئے، لکھتے ہیں:

"سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے باطل اصول کی لاج رکھتے ہوئے صحیح بخاری اور سنن ترمذی والی حدیث کو بھی موضوع اور من گھڑت [3] قرار دیں، تاکہ سبیل المجرمین واضح ہو جائے" [4]

صحیح بخاری کی حدیث پر بات ہو چکی ہے کہ وہ بے شک صحیح ہے اور اس سے متعلق امام بخاری کا قول نقل کرنے میں زبیر علی زئی صاحب نے خیانت ومغالطہ سے کام لیا۔رہی ترمذی کی روایت تو اس کے ضعیف ہونے میں ہمیں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔اور ماقبل میں حوالے پیش کئے

[1] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۱) حاشیہ (۲)

[2] البداية والنهاية، مكتبة المعارف (٨/٢٤٨) قال ابن كثير :اسناده صحيح وهو كذلك۔

[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت موضوع اور من گھڑت کی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے دیکھیں اسی تحریر کا صفحہ (۱۳۸-۱۳۹)

[4] مقالات (۶/۴۰۳)

جا چکے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ ، امام ابوحاتم رحمہ اللہ ، امام دارقطنی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہم نے اسے مرسل و منقطع یعنی مردود قرار دیا ہے۔اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ سبیل المجرمین پر کون رواں دواں ہے؟ اور باطل اصول کی غلاظت سے کس کا دامن آلودہ ہے؟

الغرض یہ کہ یہ روایت مرسل و منقطع ہونے کے سبب ضعیف و مردود ہے اور اسی طرف حافظ ابن حجر و امام بزار نے اشارہ کیا ہے۔لہٰذا اس مثال سے زبیر علی زئی صاحب کا مقصود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہماری ہی تائید ہوتی ہے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے کربلائی کیفیت میں لکھتے ہیں:

''کتنا بڑا ظلم ہے کہ کبار محدثین، نیز کبار و صغار علماء پر نمبرز قائم کر کے جھوٹ بول رہے ہیں اور دعوی یہ کر رہے ہیں کہ'' حافظ موصوف کا جواب پڑھ کر ہمیں سخت حیرانی ہوئی کہ ہمیں ایسی باتوں کا جواب کیوں دیا جا رہا ہے کہ جو ہمیں پہلے سے تسلیم ہے اور ہم نے کبھی ان کا انکار ہی نہیں کیا۔

مثلاً زیر بحث حدیث کے تمام رواۃ کی توثیق میں حافظ موصوف نے بڑی طویل گفتگو کی ہے، جبکہ ہماری گذشتہ پوری تحریر موجود ہے ہم نے کہیں بھی اس سند کے رواۃ کی تضعیف نہیں کی ہاں صرف ایک راوی کو متکلم فیہ بتلایا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے ثقہ ہی تسلیم کیا ہے۔'' الخ (سنابلی تحریر ص ۱)

یہ اسی طرح کا بیان ہے جیسا کہ سلطان پشاوری نامی چور پکڑا گیا اور اس سے مال مسروقہ برآمد ہو گیا تو اس کے باوجود اس نے کہا: میں بے گناہ ہوں۔(علمی مقالات ج۴ص ۲۶۵۔۲۶۶)'' [1]

بہتان و افتراء کا سہارا لیکر ہمارے حوالوں پر ماتم کرنے کے بجائے، اپنا گریبان اپنے ان حوالوں پر چاک کیجئے جن میں اہل علم کی طرف شاذ اور متروک اصولوں کو منسوب کرنے میں آپ نے تدلیس و تلبیس اور دجل و فریب کی ساری حدیں پار کر دی ہیں۔

مثال کے طور پر مسئلہ تدلیس میں آں جناب نے چالیس (۴۰) کبار و صغار اہل علم پر نمبرز

---

[1] مقالات (۴۰۳/۶-۴۰۴)

قائم کر کے ان کی طرف اپنے موقف کو منسوب کیا ہے [1] ۔حالانکہ ان کا یہ موقف چالیس تو دور کی بات ان میں سے کسی چار سے بھی بمشکل ہی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ پھر بقیہ حوالوں کو موصوف ہی کے اصول کی روشنی میں ان کے ''مجموعۂ اکاذیب'' میں شمار کرنے سے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔

رہی بات چوری پکڑنے کی تو یہ خالص افتراء و جھوٹ اور مکاری ہے۔ ہم نے بار بار پوری صراحت کے ساتھ وضاحت کی کہ عبدالوہاب الثقفی کو ہم نے صرف متکلم فیہ کہا ہے۔ اور اسے ثقہ ہی مانتے ہیں، ضعیف نہیں گردانتے۔ [2]

لیکن پھر بھی اعلی حضرت کی بہتان تراشی جاری ہے۔ بلکہ اس بار تو انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے چوری کا نام دے دیا گیا۔ اگر ایسے ہی چوری کا الزام لگایا جاتا ہے تو آیئے ہم زبیر علی زئی صاحب کو ہی چور ثابت کر دیتے ہیں ملاحظہ ہو:

زبیر علی زئی صاحب نے ایک مقام پر لکھا:

''حافظ بزار بذات خود متکلم فیہ ہیں'' [3]

اس پر بعض الناس نے یہ کہہ دیا کہ زبیر علی زئی صاحب محدث بزار کی توثیق کے قائل نہیں ہیں تو بعض الناس کی اس بات پر رد کرتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

''بعض الناس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے کہ میں محدث بزار کی توثیق کا قائل نہیں ہوں، یقیناً انہیں ایک دن اس جھوٹ کا حساب دینا پڑے گا'' [4]

عرض ہے کہ بعض الناس کے الزام کا جواب دیتے ہوئے آپ نے جو صفائی پیش کی ہے آپ کے اصول کی روشنی میں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی چور پکڑا جائے اور اس کے پاس سے مال مسروقہ برآمد ہو جائے تو وہ کہنے لگے: میں بے گناہ ہوں!!

---

[1] دیکھئے: نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ۴۵۷ تا ۴۷۰)

[2] دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۸۳، ص ۱۶۱-۱۶۲)

[3] ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ ۲۳، ص ۲۸)، فتاوی علمیہ المعروف بہ توضیح الاحکام (۱/۱۲۰-۱۲۱)

[4] مقالات (۳/۱۳۹) نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ۴۱۸)

فرمایئے حضرت جی! اپنے ہی اصولوں سے چور ثابت ہوئے یا نہیں! اب دوسروں پر چوری کا اتہام لگانے کے بجائے اپنا ہاتھ قلم کروایئے!

زبیر علی زئی صاحب آگے اپنا مردود علیہ اعتراض دہراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''دوسرے یہ کہ جب سند کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں، کوئی مدلس نہیں اور نہ کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان ہے تو سنابلی صاحب کا رٹا لگاتے ہوئے بار بار اسے موضوع اور من گھڑت قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟!''[1]

اس کا تسلی بخش جواب ہم نے تیسری تحریر میں دے دیا تھا لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے پھر اپنا مردود علیہ اعتراض دہرا دیا ہے۔ ہم بھی اپنا جواب دہرا دیتے ہیں ملاحظہ ہو:

((جواباً عرض ہے کہ سند کا موصول بیان کرنا ہی سرے سے محل نظر ہے۔ قطع نظر اس کے کہ مقامِ انقطاع پر سماع کی صراحت ہے یا نہیں؟ جب یہ ثابت ہو گیا کہ سند میں ایک راوی کا اضافہ غلط ہے تو اب یہ اضافہ ''عن'' کے ساتھ ہو یا سماع کی تصریح کے ساتھ؛ بہر صورت مردود ہے، کیوں کہ مسئلہ سماع کی صراحت وعدمِ صراحت کا نہیں ہے، بلکہ مسئلہ اضافہ کیے گئے راوی کے وجود وعدمِ وجود کا ہے، یعنی یہ راوی سند میں واقعتاً تھا یا کسی کی غلطی سے اس کا اضافہ ہو گیا ہے؟

اب ظاہر ہے کہ جب غلطی سے کسی اور راوی کا اضافہ ہوگا تو یا تو ''عن'' کے صیغے سے ہوگا یا سماع کے صیغے سے، دونوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت تو ہوگی، لہٰذا اس معاملے میں سماع کی صراحت قطعاً مفید نہیں۔ مزید تسلی کے لیے آیئے اس سلسلے میں محدثین کی تصریحات بھی دیکھتے چلیں:

❀ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی: ٤٦٣ھ) نے کہا:

''فجمهور أهل العلم على أن عن وأن سواء، **وأن الاعتبار ليس بالحروف، وإنما هو باللقاء والمجالسة والسماع والمشاهدة،** فإذا كان سماع بعضهم من بعض صحيحا، كان حديث

[1] مقالات (٦/٤٠٤)

بعضهم عن بعض أبدا بأي لفظ ورد محمولا علىٰ الاتصال حتى تتبين فيه علة الانقطاع"[1]

''جمہور اہلِ علم کا کہنا ہے کہ "عن" اور "أن" ایک ہی چیز ہے **اور اعتبار حروف کا نہیں ہوگا، بلکہ لقا و مجالست اور مشاہدے کا ہوگا،** پس جب بعض کا بعض سے سماع صحیح ہوگا تو ان سے ان کی روایات ہمیشہ صحیح ہوں گی اور یہاں پر کسی بھی لفظ سے روایت منقول ہو، اسے سماع پر محمول کیا جائے گا، الا یہ کہ اس میں انقطاع کی علت ثابت ہو جائے۔''

غور کریں کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ جمہور کے حوالے سے کہہ رہے ہیں کہ اعتبار حروف اور صیغوں کا نہیں ہوگا، بلکہ اصلاً سماع کے ثبوت کا ہوگا، یعنی اگر دو راویوں کے مابین سماع ثابت ہے تو وہ کسی بھی صیغے سے روایت کریں سماع پر محمول کیا جائے گا۔ آگے چل کر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر انقطاع کا ثبوت مل جائے تو سماع ثابت نہ ہوگا، یعنی اگرچہ راوی نے سماع کا لفظ استعمال کیا ہو، کیوں کہ اعتبار حروف اور صیغوں کا نہیں ہوگا۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ بات صرف کہی ہی نہیں، بلکہ اس اصول پر عمل بھی کیا ہے، چناں چہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) نے ایک مقام پر کہا:

"فأما حديث ثوبان **فإنه يرويه يحيىٰ بن أبي كثير قال: حدثنا أبو سلام** عن أبي أسماء الرحبي عن ثوبان، **ولم يسمعه يحيىٰ من أبي سلام، ولا يصح**"[2]

''رہی ثوبان کی حدیث تو اسے یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "حَدَّثنا" (ہم سے ابو سلام نے بیان کیا) انھوں نے ابو اسماء الرحبی سے نقل کیا اور انھوں نے ثوبان سے۔ **لیکن یحییٰ نے ابو سلام سے نہیں سنا** اور یہ حدیث صحیح نہیں۔''

---

1. التمهيد لابن عبد البر (١/ ٢٦)
2. التمهيد لابن عبد البر (١٦/ ١١٥)

❁ امام ابن رجب رحمہ اللہ (المتوفی:۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

"ولا يعتبر بمجرد ذكر السماع والتحديث في الأسانيد، فقد ذكر ابن المديني أن شعبة وجدوا له غير شيئ يذكر فيه الإخبار عن شيوخه ويكون منقطعا، وذكر أحمد: أن ابن مهدي حدث بحديث عن هشيم أنا منصور بن زاذان قال أحمد ولم يسمعه هشيم من منصور"[1]

''سندوں میں محض سماع اور تحدیث کی صراحت کا اعتبار نہیں ہوگا، کیوں کہ ابن مدینی نے ذکر کیا کہ شعبہ سے محدثین کو بہت سی روایات ملیں، جن میں وہ اپنے مشائخ سے روایات اخباراً بیان کرتے ہیں، لیکن وہ منقطع ہوتی ہیں، نیز امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابن مہدی نے ہشیم کی ایک روایت بیان کی کہ ہشیم نے کہا:"أنا منصور بن زاذان" (ہم کو منصور بن زاذان نے خبر دی) امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس روایت کو ہشیم نے منصور سے نہیں سنا۔''

الغرض جب کسی سند میں انقطاع کا ثبوت مل جائے تو مقامِ انقطاع پر سماع وتحدیث کی صراحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔))[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت زبیر علی زئی صاحب آخری پیراگراف درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ سنابلی صاحب نے ہماری پیش کردہ روایت کے تمام راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا تسلیم کرلیا ہے''[3]

واہ! اس فتح پر جشن منائیے اور مٹھائیاں تقسیم کیجئے کہ ہم نے آپ کی پیش کردہ روایت کے تمام راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا تسلیم کرلیا ہے!!

---

[1] شرح علل الترمذي لابن رجب (ص: ٥٩)

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص۱۵۶-۱۵۷)

[3] مقالات (۶/۴۰۴)

اللہ کے بندے! ان راویوں کے ثقہ وصدوق ہونے سے ہمیں انکار ہی کب تھا؟؟؟

ان راویوں کا ثقہ وصدوق ہونا تو ہمیں اسی دن تسلیم تھا جس دن ہم نے آپ کے تعاقب میں اس سلسلے کی اپنی پہلی تحریر پیش کی تھی۔ لہٰذا نادان بچوں کی طرح بلاوجہ خوش ہونے کے بجائے ہمارے اصل اعتراض کا سامنا کیجئے اور اس کا جواب دیجئے۔

آگے لکھتے ہیں:

''اور ثقہ راوی پر متکلم فیہ والی جرح مردود ہوتی ہے۔''[1]

یہاں ثقہ راوی کی تضعیف کا نہیں بلکہ ثقہ راوی کی تغلیط کا مسئلہ ہے۔

ایک ہی سند کو متصل اور منقطع بیان کرنے میں اختلاف ہے۔ پانچ لوگوں کی جماعت نے متفقہ طور پر اس سند کو منقطع بیان کیا ہے اور اس جماعت کے برخلاف صرف اور صرف عبدالوہاب الثقفی نے اسے متصل بیان کیا ہے۔ عبدالواہاب الثقفی ثقہ ہونے کے ساتھ متکلم فیہ بھی ہیں لہٰذا جب یہ اوثق اور اکثر کے خلاف بیان کریں تو ظاہر ہے غلطی انہیں کی مانی جائے گی کیوں کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔ یہاں انہیں متکلم فیہ کہنے کا مقصد انہیں ضعیف بتلانا نہیں بلکہ حافظہ میں کمتر بتلا کر احفظ کے خلاف بیان کردہ ان کی بات کی تغلیط کرنا ہے۔[2]

واضح رہے کہ اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی عبدالوہاب کو اپنے سے اوپر سند بیان کرنے میں اشتباہ ہوا ہے اور ان کے حافظے نے کوتاہی کی ہے، مثلاً ایک روایت کو بیان کرتے وقت انھوں نے اپنے استاذ کا حوالہ دیتے ہوئے کبھی ''ہشام'' کہا اور کبھی کہا: ''حدثنا بعض مشیختنا هشام أو غيره'' اور کبھی کہا: ''حدثنا بعض مشيختنا، حدثنا هشام أو غيره''[3]

اس مثال میں بھی عبدالوہاب ثقفی کو اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں اشتباہ ہوا ہے اور حافظ

---

1. مقالات (۶/۴۰۴)
2. تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۱۳۸ تا ۱۴۵)
3. تفصیل کے لیے دیکھیں: جامع العلوم والحكم. ت: الأرناؤوط (۲/ ۳۹۳)

زبیر علی زئی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔[1]

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ عبدالوہاب ثقفی پر ہی کیا موقوف ہے، کبھی کبھی بڑے بڑے محدثین سے بھی اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں وہم ہو جاتا ہے اور انھیں یاد نہیں رہ جاتا کہ انھوں نے روایت کو براہِ راست اپنے فلاں استاذ ہی سے سنا ہے یا کسی اور واسطے سے سنا ہے۔ مثلاً امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ بڑے پائے کے اور عظیم محدث ہیں، لیکن ایک روایت بیان کرتے وقت انھیں بھی اپنے استاذ کا حوالہ دیتے وقت اشتباہ ہوا ہے۔ چناں چہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷) نے کہا:

"حَدثنا عَبد الرَّحمَن، حَدثنا صالح بن أَحمد، حَدثنا علی، یعَنی ابن المدینی، قال: سَمعتُ عَبد الرَّحمَن، یعَنی ابن مَهدي، قال: سَمعتُ شُعبة، أَو حَدثني رجل عَن شُعبة أَنه قال: کل شيئ حدثتکم به فذلك الرجل حَدثني به أَنه سمعه من فُلان إِلا شيئًا أبینه لکم."[2]

غور فرمائیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ میں نے شعبہ سے سنا یا کسی شخص نے مجھے ان کے واسطے سے بیان کیا۔

معلوم ہوا کہ جب امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث کو اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں وہم ہوسکتا ہے تو عبدالوہاب ثقفی جیسے ثقہ متکلم فیہ کو وہم کیوں نہیں ہوسکتا؟

نیز یہاں یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ اپنی روایت کے لیے دو میں سے کوئی ایک ماخذ بتا رہے ہیں اور دونوں میں سماع یا تحدیث کی صراحت کر رہے ہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر جگہ سماع و تحدیث اتصال کی دلیل نہیں، بلکہ کبھی کبھار وہم کے نتیجے میں بھی سماع یا تحدیث کی صراحت ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ یہاں پر امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ نے تو کمال احتیاط سے کام لیتے

---

[1] دیکھیں: ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۵۴، ص: ۷)

[2] الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (۱/ ۱۷۳) و إسناده صحیح إلی ابن مهدي.

ہوئے اپنے وہم کا خود احساس کر لیا اور اس کی وضاحت بھی کر دی، لیکن کسی اور راوی کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے وہم کا احساس ہی نہ ہو اور سماع یا تحدیث کی صراحت کے ساتھ نادانستہ طور پر اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں غلطی کر جائے۔ ٹھیک یہی معاملہ عبدالوہاب ثقفی کے ساتھ زیرِ بحث روایت میں ہوا ہے۔

اس پیراگراف کا آخری جملہ رقم فرماتے ہیں:

''لہٰذا اس حدیث کو سنابلی اینڈ پارٹی کا موضوع، من گھڑت اور مردود کہنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔''[1]

اگر تحقیق حدیث میں مخالف رائے رکھنے والا آپ کی نظر میں جھوٹا کہلاتا ہے تو پھر آپ کے اکاذیب کو شمار کرنے کے لئے دفاتر درکار ہوں گے کیونکہ احادیث پر حکم لگانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ منفرد فیصلے آپ ہی سے صادر ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ذمِ یزید والی ساری احادیث کو جھوٹی یعنی موضوع، من گھڑت اور مردود قرار دیا ہے کما مضٰی۔[2]

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سند کے رواۃ کے ثقہ وصدوق ہونے کے باوجود بھی حدیث موضوع اور من گھڑت ہو سکتی ہے۔ یزید کی مذمت میں ابن الجوزی کے حوالے بہت دئے جاتے ہیں یہی ابن الجوزی فرماتے ہیں:

”وقديكون الإسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا...“[3]

''کبھی کبھی کسی سند کے سارے رجال ثقہ ہوتے ہیں پھر بھی حدیث موضوع ہوتی ہے''

سنن ترمذی کی ایک روایت کو ابن الجوزی، حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہم اللہ نے موضوع قرار دیا، حالاں کہ اس کے سارے رجال صحیح بخاری ومسلم کے ہیں، بس سند میں بخاری ومسلم کے راوی ولید بن مسلم کا عنعنہ ہے۔[4]

---

[1] مقالات (٦/٤٠٤) [2] دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (١١٩)

[3] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ١٩٩)

[4] تفصیل کے لیے دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (٢/ ١٤٠) لسان الميزان (٥/ ٢٠) السلسلة الضعيفة (٧/ ٣٨٧)

آٹھواں حوالہ

امام ذہبی رحمہ اللہ کا موقف

آٹھواں حوالہ ہم نے امام ذہبی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر زبیر علی زئی صاحب نے لکھا:

”سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے بھی زیر بحث روایت کی سند میں ابومسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

أخرجه الروياني في مسنده عن بندار، وروى من وجه آخر، عن عوف، وليس فيه أبو مسلم.

اسے امام رویانی نے مسند میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے اس میں ابومسلم کا ذکر نہیں ہے۔[تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري:۔ ۲۷۳/۵]۔

آپ نے دیکھ لیا حافظ ذہبی نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، منقطع یا مردود ہرگز نہیں کہا بلکہ دوسندوں (ایک متصل اور دوسری منقطع) کا ذکر کر دیا ہے۔ جب وہ اس حدیث کے جارحین میں ہی نہیں تو خواہ مخواہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے نمبر ۸ کے تحت انہیں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟!“[1]

خود جھوٹ بول کر الزام دوسروں پر ڈال دینے سے آپ کا جھوٹ سچ میں تبدیل نہیں ہو جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت جو وضاحت کی جا چکی ہے[2] وہی معاملہ یہاں بھی ہے کہ ہم نے امام ذہبی رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کو بھی سند میں ”ابومسلم“ کی زیادتی (اضافہ) کے شذوذ پر محمول کیا ہے۔ اور محدثین کا بطور تعلیل اس طرح کا کلام کرنا بہت ہی معروف ہے۔ مثالیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت پیش کی جا چکی ہیں۔[3]

علاوہ بریں یہاں پر امام ذہبی رحمہ اللہ کا مذکورہ کلام اس طرح کی روایات کے رد کے سیاق میں ہے کیونکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے مذکورہ کلام کے بعد تقریبا اسی مفہوم کی ابوعبیدہ والی روایت (مکحول عن

---

[1] مقالات (۴۰۴/۶)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۳۸ تا ۱۳۹)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۰ تا ۱۴۳)

أبي عبیدہ کی سند سے)نقل کی ہے۔ پھر اس کی ایک دوسری سند پیش کی جس میں مکحول اور ابوعبیدہ کے بیچ ایک راوی کا اضافہ تھا۔ پھر اس سند پر جرح کی اور اس سند کو بیان کرنے والے ''صدقۃ السمین'' کو ضعیف بھی کہا۔ [1]

یہ سیاق صاف بتلاتا ہے کہ جس طرح انہوں نے دوسری روایت پر جرح کی ہے ٹھیک اسی طرح پہلی روایت پر ان کا کلام بھی از قبیل جرح ہی ہے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے فرماتے ہیں:

''انٹرنیٹ کے ان نام نہاد محققین کا کلام پڑھ کر ممکن ہے کہ عوام میں سے کوئی نادان یہ سمجھ لے کہ اس حدیث کو تو امام بخاری، امام ابن عدی، حافظ بیہقی ، حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرہم نے بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!'' [2]

ان سارے حوالوں پر بات ہوچکی ہے رہی بات انٹرنیٹ کی تو اگر علمی سہولت کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال معیوب بات ہے تو آپ نے اپنی لائبریری میں انٹرنیٹ کیوں لگوا رکھا ہے؟

اگر آپ کی مراد نیٹ پر کتابیں اور تحریریں پیش کرنا ہے تو کیا آپ کی کتب وتحریریں انٹرنیٹ پر آپ کی مرضی کے خلاف پیش کی گئی ہیں؟

اگر انٹرنیٹ پر موجود پی ڈی ایف کتب کا حصول مراد ہے تو کیا یہ کتابیں مدلس ہوتی ہیں اور عن سے روایت کرتی ہیں؟ یا جمہور نے ان پر جرح کی ہے؟ یا امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے ان کی عدمِ ثقاہت پر اجماع نقل کیا ہے؟ [3]

---

[1] تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمرى(٢٧٣/٥)

[2] مقالات (٦/٤٠٤-٤٠٥)

[3] زبیر علی زئی صاحب کے صاحب زادے ان کی وفات کے بعد لکھتے ہیں:

''میرا زیادہ تر وقت ابو کے پاس لائبریری میں گذرا ہے۔ جہاں میں ان کی نگرانی میں انٹرنیٹ استعمال کرتا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ مجھے زیادہ کمپیوٹر کا شوق ہے، پھر بھی جب وہ کوئی نئی کتاب (یا کتابیں) لاتے تو مجھے اکثر اوقات خود آکر بتاتے اور دکھاتے تھے۔ میں نے انٹرنیٹ سے ان کے لئے کافی کتابیں ڈاؤنلوڈ کی تھیں۔ وہ مجھے ساتھ بتادیا کرتے تھے کہ کس کتاب کی انہیں سخت ضرورت ہے اور کیوں؟'' [ماہنامہ الحدیث شمارہ (١١٥) صفحہ(٤٦)]

اور اگر انٹرنیٹ پر موجود اہل علم کی تحریروں سے استفادہ مراد ہے تو آپ اپنی تحریروں میں ''ارشیف ملتقی اہل الحدیث'' کا حوالہ دیتے ہیں [1]۔ یہ کیا بلا ہے؟

فائدہ یا لطیفہ؟

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''فائدہ: بطور فائدہ عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام کے بعد سیر اعلام النبلاء (مشہور کتاب) لکھی اور اس میں سند کے اختلاف کے ساتھ مسند الرویانی سے یزید والی حدیث مذکور نقل کی، لیکن اس کے بعد کوئی کلام نہیں کیا۔ (ج ا ص ۳۲۹۔۳۳۰)
اس سے معلوم ہوا کہ ذہبی کا مذکورہ بالا بیان جرح ہی نہیں، اور اگر کوئی شخص اسے جرح باور کرانے پر بضد ہے تو یہ منسوخ ہے۔'' [2]

اس فائدہ میں زبیر علی زئی صاحب کے الفاظ ''سند کے اختلاف'' کی تفصیل پر قارئین مطلع ہوجائیں تو اس فائدے کے لطیفے میں بدلتے دیر نہیں لگے گی۔

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں اس روایت کو (عوف الأعرابی، عن مهاجر أبی مخلد، قال: حدثنی أبو العالية، (؟) قال غزا يزيد بن أبی سفيان بالناس...) یعنی منقطع سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اس سند کی یہی تو وہ اصل کیفیت (انقطاع) ہے جس کی طرف امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب (تاریخ الاسلام) میں اشارہ کیا ہے جسے ہم نے نقل کیا تھا۔ [3]

لہٰذا جب امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں منقطع سند ہی درج کی ہے جس میں ''ابومسلم'' ہے ہی نہیں، تو امام ذہبی رحمہ اللہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ دوسری سند میں ''ابومسلم'' نہیں ہے؟

علاوہ بریں یہ کہاں کا اصول ہے کہ ایک کتاب میں کوئی محدث کسی حدیث پر کوئی حکم لگائے اور بعد والی دوسری کتاب میں محض اس حکم کا تذکرہ نہ کرے تو پہلا حکم منسوخ قرار پائے گا؟

---

1. مثلاً دیکھئے: مقالات (۳۱۶/۴)
2. مقالات (۴۰۵/۶)
3. دیکھئے: تاریخ الإسلام للذهبی ت تدمری (۲۷۳/۵) نیز دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (۱۶۰)

ہاں اگر دوسری کتاب میں اس حکم کے مخالف کوئی بات کہہ دے تو ایسی صورت میں نسخ ورجوع کی بات کہی جاسکتی لیکن محض عدمِ ذکر سے نسخ پر استدلال کرنا کسی عجوبہ سے کم نہیں ہے۔

نسخ سے متعلق زبیرعلی زئی صاحب کی تحریروں میں اس طرح کے لطیفے بہت ہیں مثلا:

✿ ایک ضعیف حدیث[1] میں آیا ہے کہ دو یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومے۔ زبیرعلی زئی صاحب نے پاؤں چومنے والی اس ضعیف روایت کو صحیح قرار دیا اس کے بعد اسے منسوخ ثابت کرنے کے لئے جس دور کی کوڑی لائے اس پر قارئین شاید ہی اپنی ہنسی ضبط کرسکیں، فرماتے ہیں:

''لیکن دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤں چومنا منسوخ ہے، نبی ﷺ نے غیراللہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا (دیکھئے سنن ابن ماجہ ۱۸۵۳ ومسند احمد ۴/۳۸۱ وصحیح ابن حبان، الموارد ۱۲۹۰ وسندہ حسن)''[2]

سبحان اللہ! کہاں غیراللہ کو سجدہ کرنا اور کہاں پاؤں چومنے کا عمل۔ اس قدر بعدالمشرقین کے باوجود حضرت العلام الفقیہ اسے پاؤں چومنے والی روایت کا ناسخ بتلارہے ہیں۔

✿ اب اگر زوردار قہقہے سے اپنے آپ کو بچاسکتے ہیں تو دعوائے نسخ پر شاندار فقاہت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''خالد بن سمیر کہتے ہیں ایک دفعہ حجاج (بن یوسف) الفاسق نے منبر پر خطبہ دیا تو کہا: بے شک (عبداللہ) بن زبیر نے قرآن میں تحریف کی ہے۔ تو (عبداللہ) بن عمر بولے: تو نے جھوٹ بولا ہے، نہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے اور نہ تو اس (تحریف) کی طاقت رکھتا ہے۔ حجاج (غصے) سے بولا: چپ ہو جا اے بوڑھے! تو سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل چلی گئی ہے (ابن سعد، ۴/۱۸۴ وسندہ حسن)

آپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی مرض وفات میں جب حجاج بن یوسف عیادت کے

---

1. یہ سنن ترمذی رقم (۲۷۳۳) وغیرہ کی روایت ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیں سنن ترمذی مع احکام الالبانی رقم (۲۷۳۳)۔
2. اضواء المصابیح فی تحقیق مشکاۃ المصابیح (ص ۹۷)

لیے آیا تو آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور حجاج سے کوئی بات نہیں کی حتی کہ وہ چلا گیا۔
(ابن سعد ۶/۱۸۶ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق ۳۳/۱۲۸، ۱۲۹)

معلوم ہوا کہ آپ کا حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے کا عمل منسوخ ہے۔'' [1]

جن کے یہاں نسخ کا اثبات اس طرح کی فقاہت بلکہ فکاہت پر مبنی ہو وہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو مذکورہ بنیاد پر منسوخ بتلائیں تو یہ ان کا حق ہے لیکن علمی دنیا میں اس کی حیثیت ایک لطیفہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

---

[1] مقالات (۱/۳۳۵۔۳۳۶)

نواں حوالہ

امام ابن عساکر رحمہ اللہ کا موقف

نواں حوالہ ہم نے امام ابن عساکر رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے لکھا ہے:

''امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے بھی ایک مقام پر اسی روایت کو منقطع روایت کرنے کے بعد کہا:

رواه عبد الوهاب الثقفي عن عوف عن أبي مهاجر عن أبي العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر زاد فيه أنا مسلم.

اسی روایت کو عبدالوھاب الثقفی نے بھی عوف عن أبي مہاجر عن أبي العالیۃ عن أبي مسلم عن أبي ذر کے طریق سے روایت کیا اس میں اس نے ابومسلم کا اضافہ کر دیا ہے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر:۔۱۸/۱۶۰]۔ (ص۴)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ حافظ ابن عساکر الدمشقی نے اس حدیث کو موضوع، من گھڑت، معلول یا مردود ہرگز نہیں کہا، لہٰذا سنابلی صاحب نے ان پر جھوٹ بولا ہے۔''[1]

بلکہ آپ نے آئینہ دیکھا ہے اور اپنی طرح دوسروں کو بھی جھوٹا سمجھ لیا ہے۔

قارئین کرام! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت جو وضاحت کی جا چکی ہے[2] وہی معاملہ یہاں بھی ہے کہ ہم نے امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کو بھی سند میں ''ابومسلم'' کی زیادتی (اضافہ) کے شذوذ پر محمول کیا ہے۔ اور محدثین کا بطور تعلیل اس طرح کا کلام کرنا بہت ہی معروف ہے۔ مثالیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت پیش کی جا چکی ہیں۔[3]

نیز لفظ ''زاد'' کے ساتھ تعلیل کی کچھ مثالیں امام ابن عدی کے حوالہ کے تحت بھی پیش کی جا چکی ہیں[4] قارئین مراجعت فرمائیں۔

---

1. مقالات (۶/۴۰۵)
2. دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۳۸ تا ۱۳۹)
3. دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۰ تا ۱۴۳)
4. دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۹۵ تا ۱۰۰)

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''رہا ابن عساکر کا یہ کہنا ''زاد فیہ أبا مسلم'' انھوں (عبدالوہاب الثقفی) نے سند میں ابومسلم کا اضافہ بیان کیا ہے، اس حدیث کی تعلیل نہیں ہے۔خود ابن عساکر نے عبدالوہاب الثقفی کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''ھذا حدیث صحیح'' کہا۔یعنی وہ ابن عساکر کے نزدیک ثقہ صدوق صحیح الحدیث تھے۔'' [1]

عدم تعلیل کی اس بھونڈی دلیل پر سر پیٹ لینے کا مقام ہے۔کیونکہ تعلیل پر استدلال کی بنیاد عبدالوہاب کی تضعیف پر نہیں بلکہ ''ابومسلم'' کا اضافہ بیان کرنے میں اس کی تغلیط پر ہے۔

لہٰذا امام ابن عساکر رحمہ اللہ کی نظر میں عبدالوہاث الثقفی ثقہ وصدوق ہیں تو یہ اس چیز سے مانع نہیں ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ اس کی تغلیط نہ کریں کیونکہ ثقہ وصدوق راوی بھی غلطی کرجاتا ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے اس کا انکار کوئی احمق ہی کرسکتا ہے۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے بقول عبدالوہاب الثقفی نے ایک اور حدیث میں دیگر رواۃ کے برخلاف ایک موقوف روایت کو مرفوع بیان کر کے سند میں اضافہ کردیا چناں چہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے کہا:

''لم یرفعه عن جعفر إلا عبد الوهاب الثقفی'' [2]

''اس حدیث کو جعفر سے عبدالوہاب الثقفی کے علاوہ کسی نے بھی مرفوع بیان نہیں کیا''

الغرض یہ کہ حدیثِ یزید سے متعلق ابن عساکر رحمہ اللہ کا مذکورہ کلام تعلیل ہی کے قبیل سے ہے۔محدثین کے یہاں اس اسلوب میں تعلیل کی مثالیں بہت ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت چند مثالیں پیش کی جاچکی ہیں [3] بلکہ لفظ ''زاد'' کے ساتھ بھی تعلیل کی تین مثالیں امام ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت پیش کردی گئی ہیں [4]۔قارئین ضرور مراجعت فرمائیں۔

[1] مقالات (۶/۴۰۵)

[2] معجم الشیوخ لابن عساکر(۲/۱٤٤)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ(۱۴۰ تا ۱۴۳)

[4] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ(۹۵ تا ۱۰۰)

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد سنابلی صاحب نے لفاظی سے جوتا نا بانا بنا ہے اور لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف ایک طریق میں جو زیادتی پر تنبیہ کی ہے اس سے مقصود یہی ہے کہ یہاں پر یہ زیادتی شاذ ہے یعنی مردود ہے کیونکہ ایسے موقع پر اہل فن صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں نے زیادتی کی ہے بلکہ ساتھ میں اس اصول کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ زیادتی ثقہ مقبول ہے، اور یہاں پر محض زیادتی پر تنبیہ ہے اور زیادتی ثقہ کی قبولیت کی صراحت نہیں ہے نیز قبولیت کے قرائن بھی مفقود ہیں بلکہ رد کے قرائن موجود ہیں ایسی صورت میں ان ائمہ کا اشارہ اس زیاتی کے شذوذ ہی کی طرف ہے یعنی یہ زیادتی مردود ہے۔ ناقدین کے اس طرح کے اشاروں کو اہل علم نے بیان علت ہی سمجھا ہے۔'' (ص ۴)

عرض ہے کہ جھوٹ نہ بولیں اور اہل علم پر بہتان وافتراء کا طومار نہ باندھیں۔ اس کی تردید کے لئے صحیح بخاری (۴۸۶۲) کا حوالہ ہی کافی ہے جو کہ فقرہ نمبر ے کے تحت گذر چکا ہے''[1]

بے شرمی کی انتہا دیکھئے کہ ہم نے یہ وضاحت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ تینوں ائمہ کے حوالوں سے متعلق کی تھی لیکن زبیر علی زئی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ بلکہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالہ سے متعلق رد کرتے ہوئے متعلقہ مقام پر ہماری اس وضاحت کا نام تک نہیں لیا۔ اور یہاں بڑی ڈھٹائی سے اسے جھوٹ کہہ دیا جو بذات خود جھوٹ و دجل بیانی ہے۔

محدثین کا بطور تعلیل اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا بہت ہی معروف ہے۔ نیز گذشتہ سطور میں ہم نقل کر چکے ہیں کہ علامہ البانی رحمہ اللہ[2] اور دکتور وصی اللہ عباس حفظہ اللہ[3] نے بھی محدثین کے اس طرح کے کلام کو تعلیل پر محمول کیا ہے۔ اب کیا زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں ان اہل علم نے بھی محدثین پر بہتان وافتراء کا طومار باندھا ہے؟!!

---

[1] مقالات (۶/۴۰۵-۴۰۶)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۳)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۴۹)

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے یہاں صحیح مسلم کی صحیح و منسوخ حدث (واذاقرأ فانصتوا) پر بھی حملہ کیا ہے اور امام دارقطنی و امام نسائی سے اس پر جرح نقل کی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں اماموں سے اس حدیث کو ضعیف و مردود قرار دینا ثابت نہیں، لہٰذا سنابلی صاحب کے دونوں حوالے مردود ہے۔''[1]

منسوخ والی بات تو اسی طرح کا لطیفہ ہے جس کے چند نمونے گذشتہ سطور میں پیش کئے جاچکے ہیں[2]۔رہی بات صحیح مسلم پر حملہ کی تو پہلے آپ اس بات کو دلائل سے ثابت کریں کہ (واذاقرأ فانصتوا) والی حدیث امام مسلم کی اصل کتاب ''الصحیح ''کا حصہ ہے۔

قارئین کرام ! حقیقت یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح مسلم کا حصہ بنایا ہی نہیں ہے۔اس بات کی زبردست دلیل خود امام مسلم رحمہ اللہ کی صراحت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد کی یہ گفتگو درج ہے:

''فقال:لم لم تضعه ها هنا؟ قال:ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ها هنا إنما وضعت ها هنا ما أجمعوا عليه''

''(امام مسلم کے شاگرد نے) کہا:اس حدیث کو آپ نے یہاں (صحیح مسلم میں) درج کیوں نہیں کیا؟(تو اس کے جواب میں) امام مسلم نے فرمایا:ہر وہ چیز جو میرے نزدیک صحیح ہوا سے میں یہاں (صحیح مسلم میں) درج نہیں کرتا بلکہ یہاں میں نے وہی احادیث درج کی ہیں جن (کی صحت) پر محدثین کا اجماع ہے''[3]

---

[1] مقالات (۶/۴۰۲)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۶۳-۱۶۴)

[3] صحيح مسلم(٢/٣٠٤)تحت الرقم (٤٠٤)۔ صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''**قال أبو بكر لم لم تضعه ها هنا في صحيحك فقال مسلم ليس هذا مجمعا على صحته ولكن هو صحيح عندي وليس كل صحيح عندي وضعته في هذا الكتاب إنما وضعت فيه ما أجمعوا عليه**'' [شرح النووي على مسلم (٤/١٢٣)]

امام مسلم رحمہ اللہ کے اس صاف اور صریح بیان کے باوجود بھی کیا کوئی عقلمند یہ دعوی کرسکتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی اصل کتاب میں روایت کیا ہے اور اپنی اصل کتاب میں شامل کیا ہے؟

صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ولم یروها مسندة فی صحیحه"[1]

''امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسے مسند روایت نہیں کیا ہے''

دیکھا آپ نے! ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کی اصل کتاب ''صحیح مسلم'' کا حصہ ہے ہی نہیں، پھر بھی اس حدیث کو کوز بردستی صحیح مسلم کی حدیث بتایا جارہا ہے۔ اس پر مزید ستم یہ کہ اس کی تضعیف کو صحیح مسلم کی حدیث پر حملہ سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ سبحان اللہ۔

حالانکہ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو (و اذاقرأ فانصتوا) کے الفاظ کے ساتھ ضعیف قرار دیا ہے۔ اب کیا ان سارے محدثین نے صحیح مسلم کی حدیث پر حملہ کیا ہے؟!

قارئین سے گذارش ہے کہ اس حدیث سے متعلق محدثین کے اقوال اور مفصل تحقیق کے لئے تحقیق الکلام[2]، توضیح الکلام[3] اور مقالات اثریہ[4] کی طرف مراجعت فرمائیں۔

رہا امام دارقطنی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ کے حوالے کو مردود قرار دینا تو جو شخص نصفِ نہار میں چمکتے سورج کا انکار کرے اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سمیت کئی ائمہ کا نام لیکر کہا:

"واعلم أن هذه الزيادة وهی قوله وإذا قرأ فأنصتوا مما اختلف الحفاظ فی صحته فروی البيهقی فی السنن الكبير عن أبی داود السجستانی أن

1. شرح النووی علی مسلم (٤/١٢٣)
2. تحقیق الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام (عربی): (ص۲۲۹-۳۳۸)
3. توضیح الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام: (ص٦٦٣ تا ٦٨١)
4. مقالات اثریہ (ص۳۳۴ تا ۴۱۴)

هذه اللفظة ليست بمحفوظة و كذلك رواه عن يحيى بن معين و أبى حاتم الرازى **والدارقطنى** والحافظ أبى على النيسابورى شيخ الحاكم أبى عبد الله قال البيهقى قال أبو على الحافظ هذه اللفظة غير محفوظة قد خالف سليمان التيمى فيها جميع أصحاب قتادة و اجتماع هؤلاء الحفاظ على تضعيفها مقدم على تصحيح مسلم لا سيما ولم يروها مسندة فى صحيحه والله أعلم" [1]

''اور جان لو کہ یہ زیادت (واذاقرأ فانصتوا)، اس کی صحت کی بابت حفاظ نے اختلاف کیا ہے۔ چناں چہ بیہقی نے سنن کبیر میں ابوداؤد السجستانی سے نقل کیا کہ یہ لفظ محفوظ نہیں ہے، اسی طرح یحیی بن معین، ابوحاتم الرازی، **دارقطنی** اور حاکم ابوعبداللہ کے شیخ ابوعلی نیساپوری سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ امام بیہقی نے کہا کہ ابوعلی الحافظ نے فرمایا: یہ لفظ محفوظ نہیں ہے سلیمان تیمی نے اس میں قتادہ کے تمام شاگردوں کی مخالفت کی ہے۔ اور ان حفاظ کا اس زیادت (واذاقرأ فانصتوا) کو ضعیف قرار دینے پر متفق ہونا امام مسلم کی تصحیح پر مقدم ہے بالخصوص جبکہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں مسندا روایت بھی نہیں کیا''

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تضعیف کرنے والوں میں امام دارقطنی کا نام گنایا ہے۔ [2]

غور کریں امام نووی رحمہ اللہ علامہ مباکپوری رحمہ اللہ صراحت کے ساتھ امام دارقطنی سمیت کئی ائمہ کی طرف مذکورہ الفاظ کی تضعیف منسوب کر رہے ہیں اور ہمارے حضرت بڑی دیدہ دلیری سے فرما رہے ہیں کہ ''دونوں اماموں (دارقطنی ونسائی) سے اس حدیث کو ضعیف و مردود قرار دینا ثابت نہیں''

امام نسائی کے حوالے سے متعلق ''مقالات اثریہ'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔ [3]

---

[1] شرح النووى على مسلم (١٢٣/٤)

[2] تحقیق الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام (عربی): (٣٣٠)

[3] مقالات اثریہ (ص ٤٠٣)

زبیر علی زئی صاحب اس حوالہ کے تحت اخیر میں لکھتے ہیں:

''سنابلی صاحب نے اپنی تائید میں غلط منہج ، باطل اصول اور دوغلی پالیسی والے۔۔۔الی آخر ماطغی ولغی،،[1]

آپ کی طرف سے تغلیط منہج اور دوغلی پالیسی کی تہمت سے تو علامہ البانی رحمہ اللہ بھی محفوظ نہیں رہ سکے[2] پھر ہم جیسے فقیر کس قطار میں؟

حیرت ہے کہ جو شخص خود گھڑنتو اور خود ساختہ اصولوں کی تمام تر غلاظتوں سے لت پت ہو وہ نہ جانے کس منہ سے دوسروں کے منہج پر انگلیاں اٹھا رہا ہے۔

---

[1] مقالات (۶/۴۰۶)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۳-۱۴)

دسواں حوالہ

مؤرخ ابن طولون رحمہ اللہ کا موقف

دسواں حوالہ ہم نے مؤرخ ابن طولون رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا، اس پر زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''دسویں صدی کے ایک حنفی مولوی ابن طولون نے ''قید الشرید فی اخبار یزید'' کتاب میں حافظ ابن کثیر کا کلام نقل کیا تو سنابلی صاحب نے لکھا:

مورخ ابن طولون نے بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات برضاء ورغبت نقل کی ہے دیکھئے:

[قید الشرید لابن طولون:۔ ص:۳۸]۔

واضح رہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور ابن طولون نے بھی یہ بات برضاء ورغبت نقل کیا ہے۔

ان دس اہل علم کے برعکس پورے چودہ سو سالہ اسلامی دور میں کسی ایک بھی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن قطعا نہیں کہا ہے۔

اس کے برعکس حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ پوری دنیا میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس روایت کو پیش کردہ سند ومتن کے ساتھ حسن قرار دیا، حافظ موصوف کا یہ فیصلہ انہیں کے لہجے میں باطل ویکسر مردود ہے۔'' (ص ۵)

جس طرح سنابلی صاحب نے حافظ ابن کثیر پر جھوٹ بولا تھا۔ (دیکھئے فقرہ نمبر ۵) اسی طرح مولوی ابن طولون پر بھی کالا جھوٹ بولا ہے۔

نہ تو ابن کثیر نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔ اور نہ ابن طولون نے ایسا لکھا ہے'' [1]

جس طرح زبیر علی زئی صاحب نے ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت جھوٹ بولا تھا ایسے ہی ابن طولون رحمہ اللہ کے حوالہ کے تحت بھی صریح جھوٹ بولا ہے۔ فقرہ نمبر ۵ کا جواب گذر چکا ہے۔ [2]

زبیر علی زئی صاحب آگے اپنے افتراءات کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

''قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ سنابلی صاحب نے اپنے مذکورہ تمام (دس کے دس

---

[1] مقالات (۶/۴۰۶-۴۰۷)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۱۸ تا ۱۳۰)

)حوالوں میں ائمہ وعلماء پر جھوٹ بولا ہے" [1]

ان دس حوالوں کے جواب میں زبیر علی زئی صاحب نے ناچیز پر جھوٹ کی تہمت لگاتے ہوئے خود ہی نہ صرف یہ کہ جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے بلکہ دجل وفریب، تلبیس و تدلیس، خیانت ومکاری غرض ہر طرح کے ناپاک حربوں کا دل کھول کر استعمال کیا ہے۔آ گے لکھتے ہیں:

"سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ زبیر علی زئی سے پہلے کسی نے بھی اس حدیث کو حسن یا صحیح نہیں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا وہ ابن صلاح (تقلیدی) کے منہج پر ہیں جن کے نزدیک سابق مثال کے بغیر حدیث کو صحیح نہیں کہنا چاہے؟!

جب اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور کسی نے بھی اسے ضعیف، مردود، موضوع یا من گھڑت نہیں کہا تو ایسا فیصلہ کرنا کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے، کیوں کر غلط ہوسکتا ہے؟" [2]

ابن الصلاح رحمہ اللہ کی طرف مذکورہ منہج کی نسبت محلِ نظر ہے۔اورہم نے بھی ایسا کبھی نہیں کہا کہ سابق مثال کے بغیر کسی حدیث کی تحسین یا تصحیح نہیں کی جاسکتی ہے۔

لیکن ایک حدیث جسے متقدمین ائمہ ومحدثین میں سے کسی ایک نے بھی صحیح نہ کہا ہو اور اصول حدیث کی روسے بھی اس حدیث کی تضعیف ہی ثابت ہوتی ہو۔تو ایسی حدیث کی تضعیف کرتے ہوئے ائمہ کی عدم تصحیح کا حوالہ تائیدا پیش کیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آپ کا یہ دعوی قطعا درست نہیں کہ اصول حدیث کی روسے یہ حدیث حسن لذاتہ۔ آپ جن اصولوں کے تحت اس حدیث کو حسن کہہ رہے ہیں وہ محدثین کے اصول نہیں بلکہ آپ کے اپنے اصول ہیں۔نیز یہ کہنا کہ "کسی نے بھی اسے ضعیف، مردود، موضوع یا من گھڑت نہیں کہا" نصف نہار میں چمکتے سورج کا انکار ہے۔گذشتہ سطور میں تفصیلات پیش کی جاچکی ہے بلکہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے تو اس مضمون کی ہر حدیث کو جھوٹی یعنی موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے کما مضٰی۔ [3]

---

[1] مقالات (٦/٤٠٧)

[2] مقالات (٦/ ٤٠٧)

[3] دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (١١٩)

آ گے لکھتے ہیں:

''یزید کی مذمت والی حدیث دو سندوں سے مروی ہے:

۱: ابوالعالیہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (یہ منقطع ہے)

۲: ابوالعالیہ عن ابی مسلم الجذمی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (یہ متصل ہے)

ان دونوں میں سے پہلی روایت ذکر کر کے البانی صاحب نے کہا: ''وہذا اسناد حسن'' اور یہ سند حسن ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۴/ ۳۲۹ ح ۱۷۴۹)

ظاہر یہی ہے کہ اگر البانی صاحب کے علم میں دوسری روایت ہوتی تو وہ اسے بھی بیان کر دیتے۔'' [1]

اگر علامہ البانی رحمہ اللہ کی نظر میں دوسری سند ہوتی اور امام بخاری وغیرہ کے اقوال پر آپ کو آگاہی ہوئی ہوتی تو علامہ البانی رحمہ اللہ اس روایت کی تضعیف میں ایک پل کی تاخیر نہیں کرتے کیونکہ ایسی صورت میں اس روایت کا انقطاع ان پر واضح ہوجاتا نیز یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ سند کو موصول بیان کرنے میں عبدالوہاب نے دیگر رواۃ کی مخالفت کی ہے۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ آپ کی طرح زیادتِ ثقہ سے متعلق شاذ و مردود منہج پر نہیں تھے بلکہ وہ قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کے قبول و رد کا فیصلہ کرتے تھے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''یہ کہنا کہ البانی والی روایت میں ''صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی کا الزام اور اس کی خاطر لونڈی غصب کرنے کی تہمت نہیں ہے۔''

عرض ہے کہ ابو مسلم کی روایت میں بھی حسن پرستی والی بات کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سنابلی صاحب کا بہتان و افتراء ہے۔'' [2]

شروع میں پوری روایت نقل کی جاچکی ہے قارئین مراجعہ فرمائیں روایت کے اندر صاف موجود ہے کہ:

''فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل فاغتصبها يزيد'' [3]

---

[1] مقالات (۶/ ۴۰۷)

[2] مقالات (۶/ ۴۰۷-۴۰۸)

[3] دیکھئے: اسی تحریر کا صفحہ (۱۸)

''ایک مجاہد کے حصے میں ایک خوبصورت لونڈی آئی تو (صحابیِ رسول) یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے اس لونڈی کو غصب کرلیا''

غور کیا جائے کہ لونڈی کی خوبصورتی کا حوالہ ہے پھر اسی سبب اس لونڈی کو غصب کرنے کا الزام ہے۔ یہ حسن پرستی کا الزام نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ روایت کے اس بدبودار حصہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں کہ تاکہ قارئین اس سے متنفر نہ ہوں۔ لیکن آپ کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی اور صحابیِ رسول کی توہین کرنے والی یہ گھٹیا اور بکواس روایت امت کی نظر میں مردود ہی رہے گی ان شاء اللہ۔

ثقہ راوی کی اجتہادی غلطی یا سبائی راوی کی من گھڑت بکواس

آگے لکھتے ہیں:

''رہا ابومسلم الجذمی کا ''فاغتصبھا یزید'' کہنا تو یہی ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ الغفاری سے سنے تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ الفاظ ابومسلم الجذمی ہی کے ہیں تو یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے، کیونکہ یہاں نرم الفاظ استعمال کرنے چاہئیں تھے۔''[1]

ان الفاظ میں دولوگوں کا مکالمہ نقل نہیں ہوا ہے کہ انہیں غصہ کا نتیجہ کہہ کر مبالغہ پر محمول کردیا جائے، بلکہ ان الفاظ میں ایک پیش آمدہ واقعہ نقل ہوا ہے جس میں غیض وغضب کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ پھر اس میں اجتہادی غلطی کی بات کہاں سے آگئی؟

اس روایت پر لگا ہوا یہ ناپاک دھبہ دھلنے کے لئے آں جناب نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیل رہے ہیں !!! حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہیں نہ ہی ابومسلم کے ہیں بلکہ اس سبائی خبیث کے ہیں جو اس سند سے ساقط ہے اور عبدالوہاب الثقفی نے غلطی سے اس کی جگہ ابومسلم کا نام لے لیا۔ افسوس ہے کہ ایک عظیم صحابی کے خلاف ایک سبائی بدبخت کی من گھڑت خرافات وبکواس کو ثقہ رواۃ کے سر ڈال کر اسے اجتہادی غلطی کا تقدس دیا جارہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

---

[1] مقالات (٦/ ٤٠٨)

مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا ابوذر اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں جو الفاظ بھی بیان کریں، ہم ان کے بارے میں مکمل احترام وسکوت سے کام لیں گے، کیونکہ ہمیں حکم ہے کہ تمام صحابہ کا احترام وتکریم کریں۔''[1]

یہاں دو صحابہ کے بیچ ہونے والی گفتگو پر تبصرہ کا مسئلہ نہیں ہے کہ سکوت کی بات کی جائے۔ بلکہ روایت میں بیان کردہ الفاظ (وہ بھی ایسے الفاظ جن کا تعلق دو صحابہ کی آپسی گفتگو سے نہیں بلکہ ایک واقعہ اور فعل کی حکایت سے ہے) کے ترجمہ کا مسئلہ ہے۔ حضرت! یہاں نہ کوئی تبصرہ کر رہا ہے اور نہ ہی آپ سے کوئی تبصرہ طلب کر رہا ہے بلکہ روایت کے جن الفاظ کو آپ نے سندِ صحت دی ہے انہیں الفاظ کے ترجمہ کی بات ہو رہی ہے۔

آگے ترجمہ میں تحریف کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ ہم یہاں ''**فاغتصبها**'' کا معنی سنابلی صاحب کی طرح غصب کرنا نہیں بلکہ لونڈی کو اپنے قبضے میں لے لیا کرتے ہیں تاکہ کسی صحابی کی توہین کا شبہ تک نہ ہو، ورنہ یہ مشہور قاعدہ ہے کہ غلطی سے رجوع کرنے والا بری الذمہ ہوتا ہے اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا رجوع اسی حدیث میں ثابت ہے''[2]

کہاں اپنی طرف سے عدم تبصرہ اور سکوت کا مسئلہ، اور کہاں دوسرے کے بیان کردہ الفاظ کے ترجمہ اور اس میں تحریف کا مسئلہ! ان دونوں میں کیا مناسبت؟! کیا آپ کی نظر میں اپنی طرف سے عدم تبصرہ وسکوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے الفاظ کا غلط ترجمہ کیا جائے اور اس میں تحریف کی جائے؟

رہی بات توہین صحابہ کے شبہے سے بچنے کے لئے ترجمہ میں تبدیلی کی، تو حضرت! سبائیوں کی وضع کردہ ایسی خرافات پر ایمان ہی کیوں لاتے ہیں جن سے صحابہ کی توہین کا شبہہ ہوتا ہے؟ اگر واقعی آپ صحابہ کی توہین سے بچنا چاہتے ہیں تو ان بے ہودہ الفاظ ہی کو سرے سے موضوع ومن

[1] مقالات (٦/ ٤٠٨)
[2] مقالات (٦/ ٤٠٨)

گھڑت قرار دیں کیونکہ اصول حدیث اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں یہ الفاظ قطعا مکذوب وگھڑنٹ ہیں۔

اور اگر روایت آپ کی نظر میں صحیح ہے تو یہ آپ کے تبصرے اور سکوت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ روایت میں ایک فعل کو جن الفاظ میں راوی نے بیان کیا ہے اس کے ترجمہ کا مسئلہ ہے۔لہٰذا دوسرے راوی کے بیان کردہ الفاظ کا ترجمہ بدل کر اصل روایت میں تحریف وکذب بیانی کا اختیار آپ کو قطعا حاصل نہیں ہے۔

نیز آپ نے اس لفظ کا ترجمہ تو بدل دیا لیکن کیا یہ لفظ اپنے تبدیل شدہ ترجمہ کے ساتھ روایت میں بیان کردہ سیاق کے ساتھ فٹ ہوگا؟ ترجمہ بدلنے کے لئے صرف جذباتی دلیل کافی نہیں ہے بلکہ لغت اور سیاق وسباق سے اس کی دلیل بھی درکار ہے۔ہم نے تیسری تحریر میں اس تعلق سے جو کچھ لکھا تھا، لگتا ہے اسے آپ نے غور سے پڑھا ہی نہیں دوبارہ پڑھیں:

”اگر اس روایت کو صحیح باور کیا جائے اور ترجمہ میں بکواس حصہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے تو یہ قطعاً بے سود ہے۔کیونکہ کوئی بھی ترجمہ کرنے کے لئے لغت نیز سیاق وسباق سے اس کی گنجائش ہونی چاہئے لیکن آں جناب جو ترجمہ کر رہے ہیں اس کی نہ تو لغت سے کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی سیاق وسباق اس کی اجازت دیتا ہے جیسا کہ ہم نے دوسری تحریر ہی میں واضح کیا تھا جسے اوپر نقل کیا گیا ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی صحابی سے متعلق لوٹ مار کی تہمت والی روایت مل جائے تو اسے صحیح قرار دے کر لوٹ مار والے الفاظ کا ترجمہ صدقہ وخیرات سے کر دیا جائے۔

بھائی کچھ بھی ترجمہ کرنے کے لئے لغت اور سیاق وسباق کے اعتبار سے گنجائش نکلنی چاہئے نیز آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں عربی جاننے والے دنیا میں بہت سے لوگ موجود ہیں آپ کی طرح سب تو یہ غلط ترجمہ نہیں کریں گے ان کا کیا بنے گا؟ بالخصوص وہ لوگ جو صحابہ کے خلاف زبان درازیاں کرتے ہیں، آپ انہیں جذباتی

دلیل سے تو قائل نہیں کرسکتے بلکہ وہ تو لغت اور سیاق وسباق سے دلائل طلب کریں گے، اس طرح کسی رافضی نے اگر بطور الزام آپ کے خلاف یہ روایت پیش کردی تو آپ اسے کیسے قائل کریں گے، اس کے سامنے غلط ترجمہ کرنے کا کیا جواز پیش کریں گے؟ اپنے جذبات یا لغت وسیاق کے دلائل؟

علاوہ بریں یہ کہ پوری دنیا میں سب کے سب صرف ترجمہ ہی پر تھوڑی گذارا کرتے بلکہ بہت سارے لوگوں کی مادری زبان ہی عربی ہے ان سے جب کہا جائے گا کہ یہ روایت صحیح ہے تو وہ اس بکواس والے حصہ کا کیا کریں گے؟''[1]

زبیر علی زئی صاحب آگے حد درجہ بے حیائی کے ساتھ ''چور مچائے شور'' کا نمونہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام نے بعض حالات میں ایک دوسرے کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں، ان میں سے بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے بارے میں سیدنا عمر کے سامنے کہا: ''یا أمیر المؤمنین، اقض بینی وبین هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن'' (صحیح مسلم ۱۷۵۷[۴۵۷۷])

۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''فرأیتماه کاذبا آثما غادرا خائنا، واللہ یعلم إنه لصادق بار راشد تابع للحق''

پس تم دونوں اسے (ابوبکر رضی اللہ عنہ کو)۔۔۔ سمجھتے تھے۔

اور اپنے بارے میں فرمایا:

''فرأیتمانی کاذبا آثما غادرا خائنا، واللہ یعلم إنی لصادق بار راشد تابع للحق'' (صحیح مسلم ۱۷۵۷)

۳: سیدنا سعد بن عبادہ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے کہا: ''کذبت لعمر اللہ''

اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کذبت لعمر اللہ''

بلکہ مزید کہا: ''فانک منافق تجادل عن المنافقین'' (صحیح بخاری ۴۱۴۱، صحیح مسلم ۲۷۷۰[۷۰۲۰])

---

[1] تیسری تحریر (ص ۴۱) نیز دیکھئے یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: (ص ۱۵۲)

۴: سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کذبت یاعمر!''
(صحیح مسلم ۲۵۳۰ [۶۴۱۱])
۵: سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہوئے بددعا فرمائی:
''اللھم علیک بمعاویة وأشیاعه وعمرو بن العاص وأشیاعه ، وأبی الأعور السلمی ، وعبد اللہ بن قیس وأشیاعه'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۱۷ ح ۷۰۴۹ نسخۃ الرشد ۳/ ۲۷۳ نسخہ عوامہ ۵/ ۴۳ وسندہ صحیح، معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۲۵۲، اتحاف المھرۃ ۱۱/ ۵۴۸)

واللہ یہ حوالے بادل نخواستہ لکھے ہیں، تاکہ منکرین حدیث کے نقوشِ قدم پر چلنے والے سنابلی صاحب کو آئینہ دکھایا جائے۔

سنابلی صاحب کو چاہئے کہ وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی مذکورہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیں، ورنہ وہ اپنے دعوے اور منہج میں کاذب ہیں۔''[1]

آپ آئینہ دکھا رہے ہیں یا آئینہ دیکھ رہے ہیں؟

بے شرمی اور بے حیائی کی بھی حد ہوتی ہے۔ کتنی ڈھٹائی سے آپ نے وہ ناپاک ونجس کردار میری طرف منسوب کیا ہے جو خود آپ کا خاصہ ہے اور آپ کے اس خاصہ پر آپ ہی کے استاذ محترم محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے آپ کو پھٹکار پلائی ہے۔ اتنی جلدی آپ بھول گئے!

کوفیوں اور سبائیوں کی طرح خود پاپ کر کے الزام دوسروں کے سر پر تھوپنا بند کیجئے اور اپنی گریبان میں جھانکئے! اعمش عن ابی وائل شقیق کی سند سے ایک حدیث (کتاب المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب الفاسي ج٤ ص ٧٧١ و سير أعلام النبلاء ج٢ ص ٣٩٣ـ ٣٩٤) میں آپ کو یہ مل گیا کہ ایک صحابی کو دوسرے صحابی نے منافق کہہ دیا۔ تو اس منافق والے جملہ کو دلیل بنا کر آپ نے صرف ایک حدیث نہیں بلکہ اعمش عن ابی وائل شقیق کی سند سے آنے والی تمام احادیث پر ہاتھ صاف کر دیا! چنانچہ آپ نے لکھا:

''اگر اعمش کی ابووائل شقیق سے معنعن روایت کو مطلقاً سماع پر محمول کیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے (دیکھئے: كتاب المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب

[1] مقالات (٦/ ٤٠٨)

الفاسي ج٤ ص ٧٧١ و سير أعلام النبلاء ج٢ص ٣٩٣۔ ٣٩٤)) جو مسلمین (اہل السنہ والجماعہ) کے صحیح عقیدے کے لحاظ سے باطل ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔"[1]

آخری جملہ قابل غور ہے **"لہٰذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے"** یعنی آپ نے نفاق والی بات کو دلیل بنا کر حافظ ذہبی کے دعوی کی تردید کی ہے اور دعوی اعمش کی ابو وائل شقیق سے معنعن روایات کی صحت کا ہے۔ گویا آپ نے اس نفاق والی بات کو دلیل بنا کر صرف ایک نہیں بلکہ اعمش عن ابی وائل شقیق والی تمام احادیث کا انکار کر کے منکرینِ حدیث کے صف اول میں جگہ بنالی ہے۔

اس پر آپ کے استاذ محترم محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے آپ کو جو سبق سکھایا تھا اسے تازہ کیجئے، علامہ محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے لکھا تھا:

"مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دوست کو اپنے مدعا کے اثبات کے لیے اس قسم کی سطحی باتیں کرنا قطعی مناسب نہ تھا۔ یہ ان کی علمی شان سے بمراحل بعید ہے۔ خیر جب کہ انھوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے تو ہمیں بھی کچھ عرض کرنا پڑتا ہے۔

"سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں جو کچھ فرمایا، یہ غیظ و غضب کی حالت میں فرمایا۔۔۔ الخ"[2]

اس کے بعد آپ کے استاذ محترم نے اسی طرح کی احادیث پیش کر کے آپ کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی ہے جس طرح کی احادیث پیش کر کے آپ خواہ مخواہ مجھ پر بہتان تراشی کر رہے ہیں۔ بلکہ آپ کی پیش کردہ احادیث میں سے نمبر۳ والی حدیث تو عین وہی حدیث ہے جسے آپ کے استاذ محترم محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے آپ کو آئینہ دکھانے کے لئے پیش کیا تھا۔[3]

چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بات ہے کہ منکرینِ حدیث کے نقوشِ قدم پر خود رواں دواں ہو کر اس گھناؤنی حرکت کو دوسروں کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" (اگست ۱۹۹۹ء ص:۱۸) بحوالہ مقالات راشدیہ (۱/۳۳۹)
[2] مقالات راشدیہ (۱/۳۴۰)
[3] دیکھئے: مقالات راشدیہ (۱/۳۴۲) نیز دیکھئے یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص۶۹)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ زبیر علی زئی صاحب انکارِ حدیث کے اس دلدل میں خود پھنسے ہوئے ہیں جس کا الزام باطل طور پر وہ ناچیز کے سر ڈال رہے ہیں۔اوران کے استاذ محترم نے انہیں اس دلدل سے نکالنے کے لئے جو مثالیں پیش کی تھی انہیں میں سے ایک مثال اوراس جیسی کچھ اور مثالیں پیش کرے یہ حضرت مجھ پر بہتان تراشی کرر ہے ہیں۔سبحان اللہ!

ان تمام مثالوں میں صحابہ کا ایک دوسرے کے خلاف کلام، غیض وغضب کے نتیجے میں ہواہے۔اورزبیر علی زئی صاحب نے اعمش عن ابی وائل کی معنعن احادیث کا انکار کرنے کے لئے جس نفاق والی بات کو دلیل بنایا ہے اس کا صدور بھی غیض وغضب ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔

لیکن ہم نے حدیثِ یزید میں جن الفاظ کو پُر نکارت اور صحابی کی شان میں گستاخی بتلایا ہے اول تو اس حدیث کو رد کرنے کے لئے ہم نے اس چیز کو دلیل ہر گزنہیں بنایا ہے جیسا کہ ہم بار بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں [1]۔دوسرے یہ کہ ان الفاظ کا صدور غیض وغضب کے نتیجے میں ہوا ہی نہیں کہ آپ یہ مثالیں میرے لئے پیش کریں۔ان الفاظ کے ذریعہ ایک صحابی کا کردار نقل کیا گیا ہے، جس میں غیض وغضب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔لہٰذا روایت کا یہ حصہ صحابی کی توہین اور کردار کشی ہے۔

یہاں پر معاملہ دو صحابہ کے مابین سخت گفتگو کا ہرگزنہیں ہے بلکہ صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا ایک فعل نقل ہوا ہے۔لہٰذا یہ الفاظ غیض وغضب کے نتیجہ میں صادر نہیں ہوئے ہیں بلکہ عین واقعہ کی روایت میں بیان ہوئے ہیں، نیز یہ الفاظ بھی عین واقعہ کے وقوع کے وقت نہیں بولے جارہے ہیں بلکہ بعد میں واقعہ کی روایت کے وقت بولے جارہے ہیں۔لہٰذا یہ جو کچھ ہے ٹھیک ٹھیک ایک واقعہ کی حکایت ہے، یہاں غیض وغضب اور مبالغے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

البتہ آپ نے نفاق والی روایت کے جس حصہ پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے اس کا صدور ضرور غیض وغضب کے نتیجے میں ہوا۔جیسا کہ آپ کے استاذ محترم نے آپ کو سمجھایا ہے۔

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۵، ۱۷۲، ۱۷۳)

لہٰذا آپ خود اس گڈھے میں گر چکے ہیں جس میں مجھے ڈھکیلنے کی ناکام ونامرد اور ناپاک ونجس کوشش کررہے تھے۔اس لئے اب دوسروں کے نقوشِ قدم پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے خود اپنے لئے صراطِ مستقیم کی تلاش کیجئے۔اللہ آپ کو ہدایت دے آمین!۔

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کے جواب میں سنابلی صاحب کی تحریر (رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے) کے ابتدائی پانچ صفحات پر یہ دس صریح اور کالے جھوٹ موجود ہیں، لہٰذا ان کی باقی تحریروں میں کیا سانپ اور بچھونہ ہوں گے مگر عقلمندوں کے لئے یہی حوالے کافی ہیں'' [1]

ان پانچ صفحات کے بعد ہی تو اس حدیث پر اصل بحث تھی جس کا آپ سے کوئی جواب نہیں بن بڑا تو تحریر کے ابتداء سے پانچ صفحات لے کر کذب بیانی اور بہتان تراشی کرڈالی اور باقی تحریر کو سانپ اور بچھو سے تشبیہ دے کر جان چھڑالی۔

آگے پھر ''چور مچائے شور'' والی مکاری دیکھئے! ایک روایت پیش کرتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا سعد بن ابی وقاص نے فرمایا: مومن کی طبیعت میں تمام خصلتیں ہوسکتی لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ (کتاب الایمان لابن ابی شیبہ: ۸۰۔۸۱، وسندہ صحیح)'' [2]

کذب وافتراء اور دجل وخیانت کی تمام تر خصلتوں کا ارتکاب کرکے موصوف نے یہ تحریر مرتب کی اور آخر میں یہ روایت اس لئے درج کردی تاکہ اپنے اکاذیب اور اپنی خیانتوں پر پردہ ڈال سکیں، لیکن ہماری یہ جوابی تحریر ان شاءاللہ دجل وفریب کے سارے پردے چاک کردے گی۔

آگے لکھتے ہیں:

''سیدنا ابوہریرہ نے فرمایا: ''اللھم لاتدرکنی سنة الستین ،ویحکم تمسکوا بصدغی معاویة، اللھم لاتدرکنی امارة الصبیان'' اے اللہ! ساٹھ (ہجری) کا سال مجھے نہ پائے۔تمہاری خرابی ہو! معاویہ کی کنپٹیاں مضبوطی سے

[1] مقالات (۶/ ۴۰۹)

[2] مقالات (۶/ ۴۰۹-۴۱۰)

پکڑ لو۔اے اللہ! بچوں کی امات مجھے نہ پائے۔(دلائل النبوۃ ٦/ ٤٦٦ وسندہ صحیح) بیہقی اسے مرفوعاً حکماً سمجھتے تھے۔نیز دیکھئے تاریخ ابی زرعہ الدمشقی (٢٣٤)"[1]

اس روایت میں تین باتیں ہیں[2]۔

☆١: صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ کو نہ پانے کی دعا کی ہے۔

☆٢: صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنپٹیاں پکڑنے کا لوگوں کا حکم دیا ہے۔

☆٣: صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی امارت نہ پانے کی دعا کی ہے۔

ان تینوں باتوں میں سے کسی سے بھی یزید کی مذمت ثابت نہیں ہوتی۔

پہلی بات میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ سن ساٹھ میں ناخوشگوار حالات پیش آئیں گے لیکن ان حالات کا ذمہ دار یزید ہوگا اس کا یہاں کوئی اشارہ نہیں ہے۔

بعض مرفوع روایات میں علی رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہونے والے فتنوں کی طرف بھی اشارہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان فتنوں کے ذمہ دار علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

دوسری بات میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنپٹیاں پکڑنے سے ظاہر ہے کہ ان کی اطاعت اور ان کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی بات ہے۔اس میں بھی یزید کی برائی نہیں بلکہ یزید کی منقبت ہی ہے کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کو اگلا خلیفہ بنانے کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

تیسری بات کا یزید سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں بچوں کی امارت کا تذکرہ ہے اور یزید امیر بننے کے وقت بچے تھے ہی نہیں۔نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں یہ مذکور نہیں کہ بچوں والی امارت کا دور کب ہوگا۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر سے پناہ مانگنے کا حکم دیتے ہوئے بچوں کی امارت سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے[3]۔اور مرفوع حدیث میں سن ستر سے ہجری سال مراد نہیں

---

1. مقالات (٦/ ٤١٠)
2. اس روایت سے متعلق مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ٢٨١ تا ٢٨٩)
3. دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ٢٦٦)

ہوسکتا کیونکہ ہجری سال کی شروعات وفات رسول کے بہت بعد ہوئی ہے [1]۔لہٰذا مرفوع حدیث میں سن ستر سے وفات رسول کے بعد ستر سال مراد ہے اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن ۸۰ ہجری کا دور ہوگا۔اور اس دور سے پہلے ہی یزید وفات پا چکے تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

''ایک حدیث میں آیا ہے کہ الصادق المصدوق (ﷺ) نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت قریش کے نوجوانوں کی ہاتھ پر ہے۔(صحیح البخاری:۷۰۵۸)

اس حدیث اور سابق روایت (بحوالہ دلائل النبوۃ ونقلہ الحافظ عن ابن ابی شیبہ) ذکر نے کے بعد حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

''وفی ھذا إشارة إلی أن أول الأغیلمة کان فی سنة ستین وھو کذلک فإن یزید بن معاویة استخلف فیھا وبقی إلی سنة أربع وستین فمات''

اوراس میں یہ اشارہ ہے کہ نوجوانوں کا پہلا ساٹھ ہجری میں ہوگا اور یہ اسی طرح ہوا کیونکہ یزید بن معاویہ اس میں خلیفہ بنا اور چونسٹھ (۶۴) تک زندہ رہا پھر مرگیا''(فتح الباری ۱۳/۱۰،۱/۲۱۶)'' [2]

بخاری والی حدیث میں قریش کے چند بچوں کا ذکر ضرور ہے،مگر ان بچوں میں ایک یزید بھی ہوگا،اس بات کا اس حدیث میں کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے،معلوم نہیں کس منطق سے اس روایت کو یزید پرفٹ کیا جارہا ہے؟!

لطف تو یہ ہے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے،وہاں اسی حدیث کے راوی نے ان بچوں کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا،جو عہدِ یزید کے بعد کے زمانے کے تھے [3]۔

رہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تشریح تو وہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہونے کے سبب مردود ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی تشریح میں ''فی ھذا''(اس میں) کہہ کر جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ موقوف روایت ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ

---

[1] دیکھئے: صحیح بخاری رقم (۳۹۳۴)،فتح الباری (۷/ ۲۶۷،۲۶۸)

[2] مقالات (۶/ ۴۱۰)

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۶۱-۲۶۲)

سے پہلے فوت ہونے کی دعاء کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

چونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس موقوف روایت میں سن ساٹھ کو نہ پانے کی دعا کے ساتھ ساتھ بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعا تھی اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ بچوں کی امارت کا دور بھی سن ساٹھ ہی کا دور ہوگا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایسا سمجھنا قطعا درست نہیں کیونکہ ایک صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ ساتھ سن ستر (۷۰) کا تذکرہ ہے، جس سے (۸۰) ہجری مراد ہے [1]۔ اب اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقۂ استدلال کو بروئے کار لایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کی امارت کی ابتدا سن اسی (۸۰) ہجری سے ہوگی اور ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہونے کے سبب غیر مسموع ہوگا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث، دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملے کو الگ الگ سمجھا جائے۔ یعنی ان دونوں روایات میں بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں ہے۔ [2]

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یزید کی امارت کو بچوں کی امارت میں شمار کرنا واضح حقائق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ یزید امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔ حافظ موصوف کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا، اس لیے انھوں نے یہ تاویل پیش کی:

”وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلَيِّمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّدْبِيرِ وَالدِّينِ، وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا، وَهُوَ الْمُرَادُ هُنَا، فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مَنِ اسْتُخْلِفَ، وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ، وَكَذَلِكَ مَنْ أَمَّرُوهُ عَلَى الْأَعْمَالِ“ [3]

”صبي“ اور ”غليم“ کا اطلاق کم عقل وکم فہم پر بھی ہوتا ہے، اگر چہ وہ بالغ ہی کیوں نہ

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۶۶ تا ۲۷۴)
[2] تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۸۱ تا ۲۸۹)
[3] فتح الباري (۱۳ / ۹)

ہو اور اس حدیث میں بچوں سے یہی مراد ہے، کیوں کہ بنواُمیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گزرا ہے، اسی طرح ان کے عمال بھی سب کے سب بالغ تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل بے سود ہے، کیوں کہ یزید کم عقل بھی نہ تھے، ان کے ظالم ہونے کا پروپیگنڈا تو کچھ لوگوں نے کیا ہے، لیکن ان پر کم عقلی کا الزام تو کسی ایک نے بھی نہیں لگایا۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے انھیں کم عقل کیسے باور کرلیا؟

الغرض یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی درج بالا تشریح بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہونے کے سبب غیر مسموع ہے۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید کو قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کرنے والے لشکر کا امیر بتلایا ہے بلکہ اس پر اتفاق واجماع نقل کیا چنانچہ کہا:

''فإنه كان أمير ذلك الجيش بالإتفاق''[1]

''یزید اس پہلے لشکر کا امیر تھا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔''

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات بادلیل ہے بلکہ اجماع واتفاق نقل کرنا بذات خود ایک دلیل ہے۔ لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات مقبول ہے اس بنیاد پر یزید جنتی ہے کیونکہ اس لشکر کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے مغفرت کی بشارت دی ہے[2]۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس لشکر کو جنتی کہا ہے اور یزید کو اس میں شامل مانا ہے۔[3]

صحیح منہج یہی ہے کہ علماء کی اندھی تقلید نہ کی جائے بلکہ علماء کی جو بات بادلیل ہو اسے قبول کیا جائے اور جو بے دلیل ہو اسے رد کر دیا جائے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اس قسم کی روایات کی شرح میں محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبی (م ۶۷۱ھ) نے فرمایا:

---

[1] فتح الباري (۶/۱۰۳)

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۵۶۰ تا ۶۲۵)

[3] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۲۶-۱۲۷)

”وكأنهم والله أعلم يزيد بن معاوية، وعبيد الله بن زياد...“

اور گویا وہ یزید بن معاویہ اور عبیداللہ بن زیاد... ہیں۔ (التذکرۃ فی احوالہ الآخرۃ ص ۵۶۲)

ابن طاھر کے کأنہ کو بھی مدنظر رکھیں۔ (دیکھئے فقرہ نمبر ۴)“ [1]

سب سے پہلے تو آں جناب کی دوغلی پالیسی دیکھئے کہ ابن طاہر رحمہ اللہ نے ”کأنہ“ کے ذریعہ ایک بات کہی تھی جو صحیح بنیاد پر مبنی تھی لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ”کأنہ“ کی وجہ سے اس بات کو یکسر کردیا۔ [2]

لیکن یہاں یزید کے خلاف قرطبی رحمہ اللہ نے ”کأنہ“ کے ذریعہ بے دلیل ایک بات کہہ دی تو آں جناب نہ صرف یہ کہ اس بات کو قرطبی رحمہ اللہ کا موقف مان کر قرطبی کی طرف منسوب کررہے ہیں بلکہ اس پر آمنا وصدقنا بھی کہہ رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

دوسری بات یہ کہ قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تفسیر میں کہی ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کا علم حاصل کیا اور صرف ایک طرح کا علم نشر کیا اور دوسرا علم جان کی خوف سے چھپالیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود دوسرا علم عام نہیں کیا تو قرطبی رحمہ اللہ پر کہاں سے وحی آگئی کہ اس سے مراد یزید یا فلاں فلاں لوگ ہیں۔

نیز قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بات یزید وغیرہ کے سلسلے میں سبائیوں کی گھڑی ہوئی خرافات سے دھوکہ کھا کر کہی ہے جیسا کہ منقولہ عبارت کے آگے انہوں نے وضاحت کی ہے۔ لہٰذا باطل اور من گھڑت بنیادوں پر مبنی یہ قول بھی باطل ومردود ہے۔ [3]

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اس طرح کی اور روایات بھی مذمتِ یزید والی حدیث کی مؤید ہیں“ [4]

---

[1] مقالات (۶/ ۴۱۰)

[2] دیکھئے اسی تحریر کا صفحہ (۱۱۱)

[3] نیز دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۹۴)

[4] مقالات (۶/ ۴۱۰)

آپ کی بے بسی پر ترس آتا ہے ۔ مذمتِ یزید والی سبائی روایت کی تائید میں آپ نے غیر متعلق روایات تو پیش کر دیں لیکن خود کو بھی احساس ہے کہ یہ اطمئنان بخش نہیں، اس لئے قارئین پر ''اور روایات'' کا رعب ڈال رہے ہیں۔ مہربانی فرما کر یہ بھی بتلا دیں کہ ان ''اور روایات'' کو کس سیارے کی مخلوق نے روایت کی ہیں تا کہ ان پر بھی نظر کی جا سکے۔

آگے فرماتے ہیں:

''اور غالباً ایسے دلائل کی بنا پر قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلی ابن الفراء (م ۵۲۶ھ) نے مستحقین لعنت پر ایک کتاب لکھی جن میں یزید کو بھی ذکر کیا، جیسا کہ حافظ ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب ''الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید'' (ص ۴۱) میں لکھا ہے۔'' [1]

ابن الجوزی رحمہ اللہ کی یہ محولہ کتاب تو آپ کے اصولوں پر ثابت ہی نہیں۔ لیکن یزید کی مذمت میں سب چلتا ہے۔ اور قاضی ابوالحسین کی مذکورہ کتاب دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ اس میں یزید کا تذکرہ اس پر لعنت کے جواز کے لئے کیا گیا ہے یا بتانے کے لئے کہ کچھ لوگ اس پر لعنت کرتے ہیں جو درست نہیں۔ جس طرح ضعفاء کے مؤلفین کبھی کبھی اپنی کتب میں ثقہ رواۃ کا تذکرہ یہ بتانے کے لئے کر دیتے ہیں کہ اس پر کی گئی جرح بے بنیاد ہے۔

اخیر میں یزید سے متعلق اپنا موقف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم یزید بن معاویہ پر لعن و تکفیر سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے، اسے ظالم و مجروح اور ساقط العدالت سمجھتے ہوئے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور تمام ظالموں سے اعلان برأت کرتے ہیں'' [2]

اگر لعنت سے اجتناب کرتے ہیں تو ماقبل میں مستحقین لعنت والی کتاب میں یزید کے ذکر کئے جانے کا حوالہ دینے کا کیا مقصد؟ یزید کے ظالم، مجروح اور ساقط العدالت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کو حق بات کہنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطائے فرمائے آمین۔

---

[1] مقالات (۶/۴۱۰-۴۱۱)

[2] مقالات (۶/ ۴۱۱)